

از زمین تا به آسمان سخن است

عشق و فرشت

جوش بلخ آبادی

۱۹۴۴ء

کتب خانہ تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی ۳

طبع اول ۱۹۴۴ء

تعداد ایک ہزار

مطبوعہ یونائیٹڈ فائن آرٹ لیتھوگرافرز مجسٹریٹریٹ

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱	بنام قوت و حیات	۵	۱۱	آدمی نامہ	۵۰
۲	عدالتِ حق	۱۱	۱۲	لا علاجِ آخر	۵۸
۳	ایک پرانی غزل	۱۳	۱۳	شش و پنج	۶۱
۴	پرانی یادیں	۱۵	۱۴	ظلمت کی تمنا	۷۲
۵	نامکمل خاکے	۱۶	۱۵	اُترا ہوا چہرہ	۷۷
۶	یارِ سادہ	۲۹	۱۸	دریودہ التفات (ا)	۸۳
۷	ادائے سلام	۳۲	۱۹	دریودہ التفات (ب)	۸۵
۸	صبحِ شاعر	۳۳	۲۰	بشارت	۸۷
۹	جوابِ شاعر	۳۴	۲۱	فطرتِ اقوام	۹۰
۱۰	آہ لکھنؤ	۳۸	۲۲	وعدہ فراموشی	۹۲
۱۱	نوجوانی کی ایک رات	۴۱	۲۳	سونی جنت	۹۴
۱۲	بڑھاپے کی پہچان	۴۶	۲۴	لقاقب	۱۰۰

۱۴۷ عروس البلاذری	۳۹	۱۰۷ تقلید و تحقیق	۲
۱۴۹ مراب	۴۰	۱۰۹ ماں یاد کر سحر	۲۱
۱۷۳ عورت	۴۱	۱۱۱ لے من کا ہے تو گھبرائے	۲۰
۱۷۴ یاد کر	۴۲	۱۱۵ جنبل تیرا پھر رہا ہے فنائیں	۲۰
۱۷۵ کشود کار	۴۳	۱۲۱ زندگی کے دوزخ	۲۰
۱۷۶ اہل طبع آباد سے	۴۴	۱۲۷ اے رحمتِ یزدان	۳
۱۷۸ اربابِ ادب ہوشیار	۴۵	۱۳۱ یہ امیروں کے مصاحب	۳۱
۱۷۹ چہرہ برا فرختہ	۴۶	۱۳۶ آزدگی بے سبب	۳۲
۱۸۰ ایک بے بین رات	۴۷	۱۳۸ مفاکِ رحم	۳۲
۱۸۲ محبت کی زبان	۴۸	۱۴۰ اے دل	۳۲
۱۸۵ کارل مارکس	۴۹	۱۴۲ آخری تنہا	۳۵
۱۹۱ سحابِ سرور	۵۰	۱۴۷ ہولناک تبدیلی	۳۶
۱۹۵ رباعیات	۵۱	۱۴۹ اے دوائے آدمی	۳۷
۲۴۵ آوارہ خیالات	۵۲	۱۶۴ مرگِ نر	۳۸

بنامِ قوت و حیات

نظامِ نو —————

کھیل، ہاں اے نوعِ انسان، ان سیہ راتوں سے کھیل
 آج اگر تو ظلمتوں میں پابہ جولاں ہے تو کیا
 مسکرانے کے لئے بچپن سے صبحِ وطن
 اور چندے ظلمتِ شامِ غریباں ہے، تو کیا
 چل چکی ہے پیشوائی کو نسیمِ بارِ مصر
 آج یوسفِ مبتلائے چاؤ کُناں ہے تو کیا
 اب کھلا ہی چاہتا ہے پرچمِ بادِ مراد
 آج ہستی کا سفینہ وقفِ طُوفان ہے تو کیا

اٹھنے والی ہے نگارِ صبح درماں کی نقاب
 آخر شبِ زحمتِ درمیدراواں ہے، تو کیا
 ختم ہو جائے گا کل یہ ناروا پست و بلند
 آج نامہوارِ سطحِ بزمِ امکاں ہے تو کیا
 کھل رہی ہے خندہ گیتی کی زلفِ خم بہ خم
 اس کُرسے پر آج دامِ چشمِ گریاں ہے تو کیا
 آگئیں دل سے تبسم کی شعاعیں تا بہ لب
 اشکِ خوئے آلود اگر عنوانِ مثرگاں ہے تو کیا
 کل اس موجِ نفس میں پر رقص فرما یے گا لحن
 آج آہوں سے اگر یہ تار لرزاں ہے تو کیا
 مڑھٹیوں میں بھکے افشاں چل چکا ہے انقلاب
 ابرسم، زلفِ جہاں پر بالِ جنباں ہے تو کیا

بیل دانش، پرافشاں ہے چمکنے کے لئے
 آج مرغ و ہم، ذہنوں میں غزلخواں ہے، تو کیا
 راہ میں ہے کارواں تشکیک اور تحقیق کا
 آج اگر نادانی تسلیم و ایقان ہے تو کیا
 ختم ہونے پر ہے تبلیغ روایات و رسوم
 آج اگر تفسیر حکمت، جرم و عصیاں ہے تو کیا
 نصب ہونے ہی پہ ہے میزان دیدار و دلیل
 محکماں اس وقت اگر بالغیب ایماں ہے، تو کیا
 کل عجائب خانہ ہوگا اور یہ پیرِ مرزہ
 آج اگر منبر پہ شیخِ پاک داماں ہے، تو کیا
 منزلیں طے کر چکا ہے آفتِ بیا فکرو
 آج اگر رُوحِ قدامت ظلمت افشاں ہے، تو کیا

کل یہی "بندہ" "الومتیت" سے ہوگا شاد کام
 آج اگر بہتانِ عبدیت پہ نازاں ہے، تو کیا
 ناز کی محراب میں جلنے پہ ہے شمعِ نیاز
 بر سرِ جنگ آج اگر لیسلائے دُوراں ہے تو کیا
 کل جوہر سے گراں ہوگی لہو کی بوند بوند
 آج اپنا خون پانی سے بھی ارزاں ہے، تو کیا
 جانور کا حبانور بھی کل نہ ہوگا مدعی
 آج اگر انساں کا انساں دشمن جاں ہے، تو کیا
 کھل رہا ہے وحدتِ اقوامِ عالم کا سلم
 آج انساں، منکرِ توحیدِ انساں ہے، تو کیا
 سایہ انگن ہے ہیولی، برقِ ایواں سوز کا
 آج صرفِ باغِ سلطان، خونِ دہقاں ہے، تو کیا

آسماں کو روندنے والی ہے بالآخر زمیں
 آسماں آج اس زمیں پر آتش افشاں ہے، تو کیا
 بن رہا ہے صرصر و سیلاب خونِ ہاشمی
 آج ابوسفیان کے گھر میں چراغاں ہے، تو کیا
 آرہی ہے آگ، لٹکا کی طرف بڑھتی ہوئی
 آج راوَن کا محل، سیتا کا زنداں ہے، تو کیا
 اچکا ہے رونقِ فردا کا جنبش، میں جہلوس
 آدمی کا خانہ امروز ویراں ہے، تو کیا
 دستِ غم خواری میں ہوگی کل زمامِ آب و نال
 آج اگر نامہربانی ہمیں رساں ہے، تو کیا
 ہو رہا ہے طبعِ فنِ حیاتِ جاوداں
 قوت اگر اب تک رگِ جال پر خراماں ہے، تو کیا

سینہ خفیاطِ عالم میں ہے طرحِ رختِ نو
 آج اگر سماءِ مہستی چاکِ اماں ہے، تو کیا
 جوشِ کے افکار کو مانے گی مستقبل کی روح
 آج اگر رسوا یہ مردِ نامسماں ہے، تو کیا!

عدالتِ حُسن: —

پھر اُن کو ہے ذوقِ عدالتِ پناہی
 مبارک ہوا ہے جذبہٴ وادِ خواہی
 خوشا قسمتِ عصمتِ دل، کہ مجھ پر
 نہ ثابت ہوئی تہمتِ بد لگا ہی
 مری ستم سے پیشِ صبحِ درخشاں
 شبِ غم نے دی کتنی بہتر گواہی
 ہوا فیصلہ پھر کہ میکے لئے ہیں
 نواہی، آواہی — آواہی، نواہی

پھر اجلاسِ قاضی حُسنِ جواں میں
مُسلم ہوئی عشق کی بے گُنہی
پر افشاں ہے یا نگِ مستِ فہنا میں

غزلِ لخواں ہے بیتے دنوں کی گواہی
سر اس کا ہے، اور مجھ گدا کے قدم پر

کہ ٹھوکر ہے جس کی مجھے تاجِ شاہی

پھر اعلانِ عزتِ ولی شامِ حرام
ہوا از سرِ منبرِ صبحِ گاہی

ادھر مڑ کے چشمِ عنایت نہ کرنا

کہ اس وقت شاداں ہے شاعرِ الہی

اس افراطِ حکمت پہ بھی جوشِ مجھ میں

وہی بانگِ بین ہے، وہی کج کُلاہی

ایک پُرانی غزل (۱۹۳۰ء)

عقل کی جرح سے اُٹنے جو لگے عشق کے ہوش
 حُسن اٹھانا زسے اِدا دیہ دیوانوں کی
 تم مری سمت نہ دیکھو کہ مے چہرے پر
 آرزو کی ہے شکن، لہر ہے اَرمٰنوں کی
 اے حرمِ خواب سے بیدار ہو، ایماں مِثلاً
 عشق زنجیرِ بلاتا ہے صنمِ خانوں کی !
 بس بس اے مُطربِ نوخیزِ خدا را خاموش
 موج اُٹھتی ہے مے خُون میں طوفانوں کی
 مَسکراتے ہوئے یوں آئے وہ مے خانے میں
 رُک گئی سانس چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

اے میرے قدیم دوست حکیم اشفقتہ لکھنوی نے مجھ سے یہ غزل عینِ شاعرے کے وقت کرے میں بنا

الاماں حضرتِ شفقت کی شفقتِ سری
 کھینچ لائے مجھے محفل میں غزل خوانوں کی

برائی یادیں

دل سے اُٹھتا ہے دُھواں، دہریہ چھا جاتا ہے
 ہائے وہ وقت جب اپنے پہ ترس آتا ہے
 دل بہلنے کا نیکلتا ہے جو پہلو کوئی
 کیا قیامت ہے کہ دل اور بھی گھبراتا ہے
 جھومنی جب کبھی اُٹھتی ہے گھٹا قبلے سے
 اپنی بیٹی ہوئی راتوں کا خیال آتا ہے
 دیکھتا ہوں جو سہ راہ جنازے کا جلوں
 دلِ انساں کی متساؤں پہ رسم آتا ہے
 جوشِ ہر سانس میں دل بیٹھ رہا ہے میرا
 ہائے کیا قصیرِ برباد رنگ دُھا جاتا ہے

نامُکملِ خاکِ

(۱)

پئے تفصیلِ حُسنِ ساعِقہٴ بار
 آج جُنباں بے یوں لبِ گفتا
 ساحلِ بحرِ پرِ حَبابوں کا
 گوندھنا چاہتا ہوں گویا ہار
 یا کھلی سے اٹھانے بیٹھا ہوں
 شبنم تازہ کے دُرشہوار
 الحذر وہ نگارِ دہرِ سگن
 الاماں وہ بتِ اِلہِ شکار

(۲)

چست و چالاک و چاق و چاکب دست
 مست و مدبوش و سدرخوش و سرش
 گل رُخ و مه جمال و آئینه رو
 نورس و نرم و نادره گفتار
 تیز و طرار و تند و تاب ریا
 شوخ و شنگ و شیر و شجده کا
 زرفشاں، مشک ریز، همیکده ساز
 گل چکان، مے فروش، زمزمه با
 مہ گیل، مہروز، بخشم شکن
 شمع یوسف گداز و حور آزار

شبستان بدوش و صلد بکف
 غنچگی بر رُخ و چمن بکنار
 طرفه آنون دیده و مژگان
 زنده اعجازِ کامل و رخسار
 آفت زاهدان گوشه نشین
 فتنه عابدان شب بیدار
 شامِ عشرت ، به عشوه خول یز
 صبحِ صحت ، به نرس میا
 محرمِ رازِ شوخی و تبکیس !
 ساحل و موج - خفت و بیدار

(۳۳)

زلفِ ظلماتِ چشمه حیواں
 رُخِ شبِ ماهِ خاانه خفا

چہرہ، تفسیرِ اسمِ شمس و مَتر
 چشم، تعبیرِ خوابِ جامِ خمّ
 گفتگو، نہرِ تنگیِ اندک
 خامشی، بحرِ وسعتِ بسیار
 لعلِ شیریں و چشمِ روشن میں
 موجِ نعمت و گردشِ انوار
 سوگوار نہ خال و خد پہ سرور
 عاجزانہ جمال میں پندار
 کس تناسب سے رخ پہم آہنگ
 آبِ اترار و آتشِ اٹکار
 ابروؤں میں طلسمِ راز و نیاز
 تیوروں میں فسوںِ لیل و نہار

لب و رخسار میں سموئی ہوئی
 نرمی صُبح و گرمی پیکار
 مجھکتی نظروں میں عاشقانہ کشش
 اٹھتی پلکوں میں آہوانہ فرار
 پاس سے زہر۔ دور سے تریاق
 خلوت انکار و انجمن اقرار
 خم گردن، کہ قصہ پینا
 لبِ لعلیں، کہ داستانِ ہزار
 وقتِ گفتار۔ اک جمِ الِ گلِ ہانگ
 دمِ رفتار۔ اک رواں گلِ زار
 ہر کناٹے میں خُسد کے عُرفے
 ہر اشارے میں مصر کا بازار

(۴)

مُتَحَرِّکِ تَصَوِّرِ کُلِّ وَ مَلِ
ذی نفسِ آنسوئے سُرود چنار

کانیتی چساندنی سُرودِ ریا
دوڑتی روشنی سُرِ کہسار

لڑکھڑاتی شمیمِ شامِ خنک
رسماتی نسیمِ صبحِ بہار

گنگنا تخیالِ تاجِ محل
مسکراتی مرادِ شالامار

(۵)

دھنکے سونے کا آبتار کہ زلف
کھلتے بیلے کی چاندنی کہ عذار

نازِ بینوں کی صدرِ بزمِ افروز
 مہ جبینوں کی قافلہ سالار
 سپہِ خاکیاں جلقہٗ خاک
 اُس کے دربار میں عصا بروار
 لشکرِ نوریانِ عالمِ پاک
 اُس کے جلوؤں سے نقشِ برِ لویا

(۶)

شوخیوں کی دھوم رگ رگ میں
 جیسے باراں میں جھومتے اشجار
 چشمِ وِرخسار یوں تجسّلی ریز
 جس طرح شیشہ ملے تاب گزار

رُوئے گلُ ریزیوں عرق آلود
 جیسے پھولوں پہ بوندیوں کا نکھار
 یوں اُمنگوں کا قص آٹکھوں میں
 جیسے ساغر میں ثابت و ستیار
 نورِ ظلمت کی عشوہ کاری سے
 یوں دلاویز کاکل و رخسار
 جیسے گوگل کی شام کا فرمان
 جیسے گنگا کی صبح کے انوار
 یوں تبسم میں ولوں کا ہجوم
 جیسے شاہانِ ہند کا دربار
 بات جیسے صدائے خندہ گل
 چال جیسے خدامِ ابر بہار

گردِشِ چشم و جنبشِ مژگاں

جیسے خوابوں میں قص لیل و نہار

کننی چہرہ، اور سیہ ساری

جیسے کبے پہ بارشِ انوار

سبزہ و گل پہ وہ لطیفِ خرام

جیسے کوئی بجا رہا ہو ستار

نگہِ شوق سے وہ رخ پہ حیا

جیسے شیشے کو چھو رہی ہو پھوار

پردہ چشم میں نہاں یوں شوق

جیسے قندیل، نہر کے اُس پار

(۷)

مَوجِ اَنفاسِ خواب آگیں سے
یوں مچپتا ہوا گلے کا ہار
جیسے انوارِ صبح، گرمِ خِدا
جیسے امواجِ بحرِ نامہوا

(۸)

صبح کے نقرئی دُھند لکے میں
رُوئے ناشِ شہرِ پروہِ نیند نکھار
جیسے حلقہ کی مست تانوں میں
کیف کا جوش، سرخوشی کا اُجھار

(۹)

سُرخِ جلد کے تَوَج سے

یوں پَر افشاں، لباس کا ہر تار

جیسے گلشن میں آتشِ گل کا

شبنمِ آلودِ حُبٹ پٹے میں غبار

(۱۰)

لہجہ غلطیدہ جس طرح موتی

مرمر میں فرشِ پریمین و بسیار

جیسے چینی پرستک زرقاں

اُشرنی کی بلور پر جھنکار

(۱۱)

بات کرنے میں پینگ کا عالم
 اتنی بگلی سے، اور بہاں مہجار
 جیسے فرقت کی چاندنی کے حضور
 دل میں تیرے کوئی مہین سہی ہوا
 یا گل تر کے سونگھنے کے وقت
 جیسے سینے میں سانس کی رفتار

(۱۲)

حُسن کی شرح، غیر ممکن ہے
 بند ہو بند، اے لبِ گفتار

ساحلِ بحر پر حبِ یون کا
 چاہتا تھا کہ آج گوندھوں ہار
 اور کلی سے اٹھانے بیٹھا تھا
 شبِ نیمِ تازہ کے مورِ شہوار
 نہ تو وہ ہوسکا، نہ یہ اصد حیف
 ٹوٹا حب، خامہِ فضولِ نگار
 نطق کے بس میں آ نہیں سکتی
 بوئے گل، تابِ ماہِ طلعتِ یار

یارِ سادہ (۱۹۴۴ء)

در آیا مرے تنگ خلوت کدے میں
 بصدِ عشوہ کل شب کے وہ یارِ سادہ
 ہر اک لیسی عصرِ بس کی کنیزک
 ہر اک را کبِ نازِ بس کا پیادہ
 سُبک جس سے پریوں کی ہر نسلِ رنگین
 خجل جس سے حوروں کا ہر خانوادہ
 زباں میں گھٹلاوٹ، نہ ہلکی، نہ بو جھل
 نگہ میں لگاوٹ، نہ کم، نہ زیادہ

سمٹتے ہوئے ابرو ان خمیدہ
 مہکتی ہوئی کاکل تائب دادہ
 بہارِ گل افشاں و ابرِ سُبک رو
 نگوں سرِ اکربستہ ، چہرہ کشادہ
 نظر سے ٹپکتی ہوئی صبح بستاں
 جہیں پُرحپلتی ہوئی شامِ بادہ
 لبِ لعل میں حرفِ پُرسش کی کاوش
 نگاہوں میں عذِ حیف کا ارادہ !
 بہ گیتی ترنم ، بہ گردوں تبسم !
 بے ہند پروردہ ہنس مروں زادہ

جلو میں کمر بستہ رنگ و تختہ
 چرخاں کی جیسے قطار ایستادہ
 مسرت کے بندِ قبا کھل رہے ہیں
 جلا ڈال اے جوشِ نسیم کا لبادہ

ادا اے سلام

آنکھوں میں غنچہ ہائے نوازش پنخوڑ کر
 میرے دل شکستہ کو نرمی سے جوڑ کر
 ہونٹوں پہ نیم موج تبسم کو توڑ کر
 میری طرف خفیف سا گردن کو موڑ کر

کل صبح راستے میں، سہانی حیا کے ساتھ
 اُس نے مجھے سلام کیا کس ادا کے ساتھ

صبح و شاعر

کہتا تھا خود کو، نامِ خدا تو سحر پرست

اب میری بارگاہ میں آتا نہیں ہے جوش

جس جھپٹے نے تج کو سکھائے تھے زمزمے

اُس جھپٹے میں اب کبھی گاتا نہیں ہے جوش

گلیاں چٹک کے پھول بنیں، پھول ہنس ٹریں

اب اس روش سے بلغ میں آتا نہیں ہے جوش

میری بہشتِ حسن میں اپنی زبان سے

دریا لافنتوں کے بہاتا نہیں ہے جوش

آہستہ سے ہٹا کے دھندلے کی شبہنی
 اب میسے فرشِ خواب تک آتا نہیں ہے جوش
 یہ طرفہ سا بخم ہے کہ اب ایک عمر ہے
 پہلی کزن کا تارِ محبتا نہیں ہے جوش
 باگِ پلور و جنبشِ بالِ نسیم سے
 اب کیا ہوا کہ ہوش میں آتا نہیں ہے جوش

جوابِ شاعر

شکوے ترے درستِ نگرے نگارِ صبح
 اب جوش، بزمِ ناز میں آئے تو کس طرح
 پچھتا رہا ہے جو آتشِ غم سے تمام رات
 وہ منہ اندھیرے عودِ جلائے تو کس طرح

اُس طاق میں کہ جس میں جلاتا تھا شمعِ دل
 اب دل تو کیا، چراغِ جلاتا نہیں ہے جوش
 چلتی ہے جب نسیمِ محبتی ہیں ڈالیاں
 پودوں کو اب گلے سے لگاتا نہیں ہے جوش
 حافظ کے شعر پڑھ کے، مری بارگاہ میں
 اب منہ اندھیرے غم و جلاتا نہیں ہے جوش
 زانو پہ ہنسیِ سرقِ ماہ کو رکھ کر خیال میں
 اب میری چاندنی کو سلاتا نہیں ہے جوش
 گردوں پہ دیکھتے ہی مراقتِ رنی جلوس
 میدان میں جھومتا ہوا آسمان نہیں ہے جوش
 تاروں کی آنکھڑیوں میں ہیں آنسو بھجے ہوئے
 بچھلے پہر اب اشک بہاتا نہیں ہے جوش

ہر آن آہِ تہرے ہو بس کا سابقہ
 عروجِ حباب سے وجد میں آئے تو کس طرح
 جس پر کٹا فیتے ہوں غمِ روزگار کی
 دریا لطفاتوں کے بہائے تو کس طرح
 دُنیا میں جس کا ٹوہ بھی سننا نہ ہو کوئی
 وہ بد نصیب شعر سنائے تو کس طرح
 طغیاں تیسرگی میں جسے سو جھتا نہ ہو
 وہ طاقِ زر میں شمعِ جلائے تو کس طرح
 بہتِ عنیب کے ساتھ جو جاگا ہو دیر تک
 تکیئے سے جلد سر وہ اٹھائے تو کس طرح
 وہ آفتاب، رات گئے ہو غروب ہو
 قبل طُلوعِ جلوہ دکھائے تو کس طرح

آتش کی لوریوں سے ملایا گیا ہو جو
 ایسے کو آبِ چرخِ جگمگے تو کس طرح
 جس کے جگر میں ہوں غمِ پوشیں کی برچھیا
 پہلی کرن کا تازہ بجائے تو کس طرح
 پہلو اُٹھ چکا ہو جس آفتِ سیدہ کا
 زانو پہ چاندنی کو سلائے تو کس طرح
 گونجی ہوئی ہو جس کی رگِ پے میں ہائے
 دھوئیں تری فضا میں مچائے تو کس طرح
 جو خشک آنسوؤں سے پیئے رات کو شراب
 وہ جوشِ صبحِ اشکِ بہائے تو کس طرح

آہ لکھنؤ

لکھنؤ! دیکھ، کہ میں کتنی پریشاں تجھ بن
 یہ برستی ہوئی راتیں، یہ گرجتے ہوئے دن
 کھائے جاتا ہے ترے شاعر بزمِ آرا کو
 دھول پُور، آہ جہاں ہے نہ کوئی انس نہ جن
 ایسے بگڑے ہوئے چہروں پہ نظر پڑتی ہے
 جن سے آتی ہے ترے زیدِ غربات کو گھن
 اُن کو کہنے کی جگہ کہنے میں ظالم بن کو
 اور دُلہن مُنہ سے نکلتی ہے بگڑ کر دُلہن

ایک تار اُٹھنے، سو وہ ڈوب چکا ہے غم میں
 اک بستم بھر کہ جسے رات میسر ہے، نہ دن
 اسی مڑتے ہوئے چھکڑے میں جتا ہے اتنا
 "تیری پھانی" کہ سدا سے ہے بقدر پاک پہنچ
 ہائے اب روپ کو اب روپ کے ڈھونڈوں میں کہا
 کر مری موت کا اعلان - کہ صبر ہے معلن
 آدمی صبح کو بھی چلتے ہیں آؤندھے آؤندھے
 نکھیلیاں رات کو بھی اُڑتی ہیں بھن بھن بھن
 گونجتی رہتی ہیں ناقوسِ اذان کی چیمیں
 نہ تو "مشرک" ہی غنائی، نہ "میرلا مہمن
 اعشام آہ نہ ہو، نہ امیتؑ و مجازؑ
 کہ یہی چند ہیں اب صحبتِ شب کے ضامن

یہ سہرا زار چند پرانے سکرٹری صاحب نے باوجود بے خیالانہ تجویز سے باوجود تیرہ پائی ربوے لکھا ہے

یہ سہرا زار چند پرانے سکرٹری صاحب نے باوجود بے خیالانہ تجویز سے باوجود تیرہ پائی ربوے لکھا ہے

کو پیتا جعفر و قاسم سے یوں گا کس روز
 اس جگہ کوئی نجومی ہے نہ کوئی کاہن
 کس کی آواز سنوں، کس کی تجبلی دیکھوں
 نہ تو یارانِ موافق، نہ بُستانِ کم سن
 لکھنؤ! کیا اسی مرگھٹ میں گذر جائیں گی
 یہ برستی ہوئی رانیں، یہ گر جتے ہوئے دن؟

نوجوانی کی ایک رات

عجب نوجوانی تھی اپنی بھی پیارے
 نہیں بھولنے کے وہ کافر نظارے
 سن اک چاندنی رات کی بات مجھ سے
 ابھی تک سے دل پہ چلتے ہیں آ رہے
 وہ جادو کے جھوٹے، وہ افسوں کی مچیں
 وہ بیلے کے تختے ندی کے کنارے
 وہ دہکے سے پھول، اور وہ مہکے سے غنچے
 وہ بالکاسا چاند اور وہ چھتے سے تارے

فلک پر دھکتے ہوئے لالہ و گل
 ندی میں جھلکتے ہوئے سنگ پارے
 وہ حد نظر تک غزلخواں و رقصاں
 دھڑکتے ہوئے دل کے ارمان سارے
 وہ منظر کہ شاید خدا پھر زمیں پر
 صغیفہ کوئی آسمان سے اتارے
 وہ پہلو میں اک سیم بر لوہانی
 بکا کل، سحابے، بعارض بہارے
 بہتر گاہ خدنگے، بہ ابرو، کمانے
 بہ تمکین، خوابے، بہ شوخی ہزارے
 اُسی طرح، رومان ہوتا ہے جیسے
 برستی گھٹائیں ندی کے کنارے

جہیں پر گلابی پسینے کے قطرے
 پسینے کے قطروں میں تابندہ تارے
 تبسم کی رو میں امنگوں کی لہجوں
 امنگوں کی بھل میں گنگا کے دھارے
 جھکے سے پتھروں میں وہ چشمِ تاباں
 کوئی جیسے کابل تکلف سے پارے
 وہ پیکوں کا سرد شادیوں سے جھپکنا
 لہو میں امنگوں کے جیسے ترارے
 لیتے مدبھری، ادھ کھلی انکھڑیوں میں
 رسیلے کنائے، کیٹیلے اشارے
 رُخ لالہ گوں میں مچلتے ہوئے سے
 جوانی کے شعلے، جنوں کے شرارے

لب جو کبھی سیکڑوں ہیچ و خم سے
 تِلّا طم سے چلنا وہ سینہ اُبھارے
 کبھی لیٹ جانا وہ کہنی کے بن پر
 کبھی بیٹھ جانا وہ میکے سہارے
 کبھی دیکھ کر مجھ کو نرمی سے کہنا
 ”بُٹے دکھ میں رہتے ہیں شاعر بچائے“
 وہ میرا یہ کہنا کہ گو بعد مدت
 مگر تم مرے پاس آئیں تو بارے
 بساطِ طرب پر، رگ و پئے کے اندر
 وہ میٹھی چُپھن جس پہ دل جان مارے
 وہ اک دو سا، فرطِ دہال کے باعث
 وہ اک غم سا، بارِ مسترت کے مارے

وہ بھولا سا اک گیت، غلطاں فضا میں

بہن آج آئے ہمارے دوارے

جو اُس روز اے جوش یوں جلوہ گر تھی

اُسے آج یوں کاش کوئی پکارے

کہ ندی اکھم اور میدان ہے جل تھل

چلی آچکستی کنارے کنارے

بُڑھاپے کی پہچان

اگر دین ہے خالی رجز خوانیوں سے
اگر رات کو نغمہ خوانی نہیں ہے
اگر آنکھ میں رس نہیں آنسوؤں کا
اگر دل میں سوزِ نہانی نہیں ہے
نہیں ہے اگر صبح کو ربِّ اِزنی
اگر شام کو لَن ترا فی نہیں ہے
ہر اک شبِ اِکسی تازہ عشرت کدے میں
اگر دعوتِ زندگانی نہیں ہے

اگر علم کی آگ بجلا چلی ہے
 جہالت سے دل پانی پانی نہیں ہے
 ہوائے ترنم میں آوجِ فضا پر
 اگر جذبہٴ پرفشانی نہیں ہے
 برستے ہوئے بادلوں کے دھوئیں میں
 اگر قص و رنگ و روانی نہیں ہے
 مہکتی ہوئی خواب گاہوں میں جا کر
 بہکتی ہوئی گل فشانی نہیں ہے
 مچلتے بتوں، چلبے مسہ و شول کی
 اگر طاقتِ میزبانی نہیں ہے
 اُبلتا ہوا سحرِ لالہ گول میں
 اگر بادۂ ارغوانی نہیں ہے

اگر آتشِ زندگی کی لپٹ میں
 حوادث کی ہر آگ، پانی نہیں ہے
 اگر دن ہے محرومِ خود و زرہ سے
 اگر شب کو پرِ شناکِ ہانی نہیں ہے
 گناہوں کے بڑھتے ہوئے ولولوں کی
 نظر سے اگر ترجمانی نہیں ہے
 فتوحات کی سمت بڑھتا نہیں دل
 عبادات سے آنا کافی نہیں ہے
 لگاریں ارض و بیتانِ سما پر
 اگر ہمتِ حکمرانی نہیں ہے
 حینوں کے افسوں طلبِ مجہرِ مٹوں میں
 اگر ذوقِ افسانہ خوانی نہیں ہے

اگر شام کوئی نہیں ہے سکوئی
 اگر صبح کوئی سہانی نہیں ہے
 اگر شادمانی ہے بے غمخیزم
 غموں میں اگر شادمانی نہیں ہے
 چھلکتے ہوئے ساغروں کی کھنک میں
 دو عالم اگر اک کہانی نہیں ہے
 تنوع کے ایما سے تھوڑے ہی دن میں
 اگر ہر نئی شے پرانی نہیں ہے
 گذشتہ خطاؤں پہ ہے شرمساری
 نئی وارداتوں کی ہٹانی نہیں ہے
 تو پھر جوشِ اسوگندِ ربِ تلاطم
 وہ پیری ہے، پیری جوانی نہیں ہے

آدمی نامہ

(۱)

گورفتوں میں چرخ سے بالا ہے آدمی
 ہر شے سے کائنات کی اعلیٰ ہے آدمی
 محرابِ زندگی کا احباب ہے آدمی
 لیکن ابھی تو طفلِ دوسالا ہے آدمی

اب تک تو خاک چھاننے والا ہے آدمی

(۲)

اس آدمی کا تجھ سے کہوں کیا میں کیف و کم
 اک آن میں ہے سبز، تو اک آن میں بھسم
 تریاق ہے جو صبح کو، تو شام کو ہے عم
 منعم ہے، تو ہے شیر کا بھی خویش محترم

مفسس ہے تو گدھے کا بھی سالا ہے آدمی

(۳)

قوت میں بے نظیر، صولت میں فرد ہے
 عزت میں بی مثال ہے طاقت میں فرد ہے
 اعزاز و استرام و جلالت میں فرد ہے
 پیسہ ہے جیب میں تو شرافت میں فرد ہے

پیسہ اگر نہیں تو رِوا لا ہے آدمی

(۴)

کس کو خبر کہ دیو تہمتن بنے گا کب
 شاہین زندگی کا شیش بنے گا کب
 طاقت کا اس زمین پر مہن بنے گا کب
 کیا جانئے کہ فاتح آہن بنے گا کب

اب تک تو صرف روئی کا کالا ہے آدمی

(۵)

اب تک تو آستانِ حماقت ہے اور سر
 اب تک تو "خیر" سست ہے، اور تیز کام "نشر"
 اب تک تو پھر رہا ہے دل و ذہن ادھر ادھر
 ہر دیو کا میسہ کی خداک ہے بشر

ہر دیو کا مراں کا بوالا ہے آدمی

(۶)

انسان وہ کلی ہے جواب تک کھلی نہیں
 وہ شاخ ہے صبا سے جواب تک رہلی نہیں
 پر شک ہے یہ وہ جو ابھی تک سلی نہیں
 گنجی ہنوز عقل کی اُس کو ملی نہیں

جو آج تک ہے بند وہ تالا ہے آدمی

(۷)

اب تک ہے بزمِ جہل میں ناداں ٹوٹا ہوا
 اب تک ہے علم و عقل و ہنر میں گھٹا ہوا
 اب تک لباسِ ذہن و ذکا ہے پھٹا ہوا
 اب تک ہے خاکِ تیرہ میں انساں اٹا ہوا

ہرچند خاکِ تیرہ سے بالا ہے آدمی

(۸)

پروا کے جو آج ہے دن بھی سیاہ رات
 کیا غم اگر زمیں پہ وا ہے دُرُمّات
 یعنی محکم دھر و بھنڈن کائنات
 انساں کو آج رَوْنْد لے ہے ہیں جو حادثات

کل اُن کو جوشِ رَوْنْد نے والا ہے آدمی

لاعلاج تاخیر

تڑپت کی تیرگی میں اُجلا ہوا تو کیا
 جینے کا بعدِ مرگ سہارا ہوا تو کیا
 سونا پڑا ہے سینہ جفاے دماغ سے
 اب دل کو اذنِ شرح تمنّا ہوا تو کیا
 مدّت سے اب تو گیسوئے دانش ہو اور دوش
 اب ابر زلفِ یار ہویدا ہوا تو کیا
 یوسف کو رنجِ ہجرِ مسلسل نے کھ لیا
 اب اہتمامِ قبورِ لہجہ کا ہوا تو کیا

مجنوں کے ولولوں ہی پہ جب اس پڑ پکی
 صحرا میں رقصِ ناقہ بیسے ہوا تو کیا
 سن ہو چکے ہیں حرف و حکایت کے ولولے
 اب غر فز حیریم سخن، وا ہوا تو کیا
 تبدیل ہو چکا تھا جو دریا سب میں
 اب جا کے پھر نہ اب سے دریا ہوا تو کیا
 پچھلے پہر سے مہر بہ لب ہے مریضِ غم
 اب صبحِ انبساط کا غوغا ہوا تو کیا
 خود دروین چکا ہے مداوائے زندگی
 اب دروِ زندگی کا مداوا ہوا تو کیا
 گہوارہ سفینہ و بازوئے ناختہ
 اب ڈوبنے کے بعد مہیا ہوا تو کیا

اقرارِ دل نوازی و آہنگِ الفت

پھر اُس نگاہِ ناز میں پیدا ہوا تو کیا

جب ہو چکا تھیبِ دُخِر و جذبہِ جنوں

اب سوئے حبیبِ گل کا نثار ہوا تو کیا

اب اک ہلاکِ یاس کا ہنگامہِ نشاط

بے مہرِ زندگی کو گوارا ہوا تو کیا

آنکھوں کو جو شش بند ہوئے دیر ہو گئی

اب بے نقابِ عارضِ سلمیٰ ہوا تو کیا

شش و پنج

(۱)

اے عقل! جنوں زار میں جاؤں کہ نہ جاؤں
 پھر دامن کہہ رہا میں جاؤں کہ نہ جاؤں
 پھر دشتِ فسوں بار میں جاؤں کہ نہ جاؤں
 منزلِ گم و دشوار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

اب کوچیۂ دلدار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۲)

افکار کے اس گنبدِ سیسے سے گُذر کر
 اس دایرۂ انجس و پرویں سے گُذر کر
 اس تازہ فسدِ گاہِ جہاں میں سے گُذر کر
 تسکین کے اس گوشہ تمکین سے گُذر کر

طوفان کے دربار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۳)

بیٹھا ہوں سحرِ جلوہ کہ عامِ تفکر
 رگِ رگ ہیں لیئے بادۂ کُفِ عامِ تفکر
 اک عمر سے ہوں مُتکفِ بامِ تفکر
 مدت سے ہوں، منجملۂ خدامِ تفکر

اب حُسن کی سحرِ کاریں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۴)

اس کار گہ جُز دورہ کُل سے نکل کر
 لمحاتِ تجسس کے تسلسل سے نکل کر
 تحقیق کی اس انجمنِ گل سے نکل کر
 حکمتِ کدہ منکرو تامل سے نکل کر

عشرتِ کدہ یار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۵)

اسرار کی پھل ہے سرِ کوئے خموشی
 تقریر کی شیر ہے ابروئے خموشی
 طغیانِ فصاحت ہے نمِ روئے خموشی
 مدت سے ہوں وابستہ گیموئے خموشی

اب حلقہ گفتار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۶)

اِس بارگہِ علم و حقیقت سے گُزر کر
 اِس ہوشِ رُباذہن کی سُخت سے گُزر کر
 اِس ولولہ انگیز قناعت سے گُزر کر
 اِس مامنِ اندک کی فرغت سے گُزر کر

پھر محشرِ بیاڑ میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۷)

حکمت نے مجھے لوٹ لیا ، واسے مُقَدَّر
 اکِ عالم ہو ہے دلِ مَرَحُوم کے اندر
 سینے ہی میں دوزخ ہے ، نہ آنکھوں میں سمندر
 داغوں ہی کے سکتے ہیں ، نہ آنکھوں ہی کے گوہر

اب عشق کے بازار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۸)

ہر سانس ہے یاں حکمت و دانش کی علمدار
 ہر گام ہے یاں فکر کی پازیب کی جھنکار
 ہر حرف سے اک لشکرِ معنی ہے نمودار
 نئے نئے خوش گوین ہے اور تختِ افکار

کئے دل بیمار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۹)

دانش کی محک ہنس کر کی مقیاس کو تیج کر
 تاجِ حکمت کے اس الماس کو تیج کر
 اس نکتہ زں و مُعْتَدِلِ احساس کو تیج کر
 لُحْنِ قِطْم و کاکِلِ قِطْرِ اس کو تیج کر

صحنِ رَسَن و دارِ مینِ جاؤں کہ نہ جاؤں

۱۰۱

یاں شحنہ سلطان ہے، نہ اندیشہ شبِ خو
 ہر لفظ کے قطرے میں محالِیف کا ہے جیجھول
 ہر آن برستا ہے یہاں بادِ گلِ گوں
 بحرِ نظر و فکر کی ہر موج ہے افسوں

شہرِ لب و رخسار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

(۱۱)

مٹہ پھیکے اے جوشِ متاعِ سندی سے
 بہتی ہوئی اس حرفِ معانی کی ندی سے
 اس حورِ سلم کی کششِ سُرودِ قدی سے
 اس نظم کی فردوسِ حیاتِ ابدی سے

پھر بزمِ گل و خار میں جاؤں کہ نہ جاؤں

ظلمت کی تمنا

مذتوں کے بعد وہ جان بہار

آئی ہے پھر مثل ابر کو ہمار

پھر صبا کے دوش ہے جوئے مل

شہر کی رگ میں رواں ہے خونِ گل

تنگ گلیاں - پیچِ خسِم کھاتی ہوئی

پھر ہیں مثل زلفِ لہرائی ہوئی

دلِ ربا ہیں پھول، دلِ کشِ خار و خس

تازہ ہیں ذراست، تباہاں ہیں کس

وَلَوْلَا اَنْ كُوْهِبْتَ رَاٰذِنٌ وَجْهٌ وَحَالٌ

آئی ہے پھر دل میں فصل بترنگال

کان میں رہ رہ کے پھر سُبْحَ وَمَا

آ رہی ہے دل دھڑکنے کی صدا

جاؤں اس تک؟ یا نہ جاؤں؟ کیا کروں؟

زہرِ غم کھاؤں؟ نہ کھاؤں؟ کیا کروں؟

زہرِ غم؟ اُس سے تو میں ڈرتا نہیں

زہرِ غم تو ہے نہات و انگیس

مجھ کو تو ہے فکر صرف اس بات کی

میرے چہرے پر نہیں اب روشنی

تلخی غم کھا چکی ساری مٹھاس
 رُخ پہ مٹھ خستگی، آنکھیں اُداس
 مَدّتوں سے عارضوں پر ہیں عیاں
 کاروانِ حیر کے گہرے نشاں
 بند ہیں چہرے کے سب ٹوٹے ہوئے
 خال و خط ہیں مج کے رُوٹے ہوئے
 سر میں درد آنکھوں میں حلقے، رنگ نَرْد
 عارضوں پر شکرِ حِدا کی گزرد
 آہ اے ایمانِ جوش، اے جانِ جوش
 اے متلعّ سنبُل و ریحانِ جوش

دامنِ لطف و مشرت ہوتا منے

آؤں اب کس مٹھ سے تیرے سامنے

دل ہے سوزِ غم کا جھلسایا ہوا

خال و خط پر ہے دھواں چھپایا ہوا

میکے رُخِ مَن کو جلا کر آئی ہے

خاک میں محبو کو جلا کر آئی ہے

کاش اُل اور دائمی ہو جائے رات

اور ایسی، ہات کو سوجھے نہ ہات

کاش، یہ ظالم ستارے ٹوٹ جائیں

رُونما بجلی کی نبضیں چھوٹ جائیں

کاش بجھ جائے چراغِ مہر و ماہ

پڑ سکے مجھ پر نہ تاتیرِ نگاہ

اُور تو پیرِ نفیسِ عقلِ ناز سے

مجھ کو پہچانے مری آواز سے

اُترا ہوا چہرہ

قطرہ قطرہ کر کے ٹپکے ماہِ وسال

اُور یوں بسم کر کہ بھیگا بال بال

اور مانندِ بتانِ بزمِ گام

سے گزرا کاروانِ صبح و شام

اور خاموشی سے وقتِ برقِ پا

مثلِ شبِ بنمِ رُوح میں کھپتا رہا

اورِ عزائم کے فتنے کی تیلیاں

خون میں کرتی رہیں شبِ دلیلیاں

اور پھر دل کی خوشی کھوتے رہے
 تجربوں پر تجربے ہوتے رہے
 دشمنوں کی بے محابا دشمنی
 دوستوں کا اِدّعا ئے دوستی
 بیکسوں کے درد پر آہ و فغاں
 اور خلوت گاہ میں خود حمیلاں
 افسرِ بآ کے جو رہائے بے پناہ
 اغنیاء کی زہریں ڈوبی لگا
 غم کو بدستِ مہیروں کی صدا
 صبح کو بھوکے فقیروں کی صدا

ہمدموں کی تلخ کامی کا ملال
 مفلسی کا دکھ، غلامی کا ملال
 شمعِ محفل پر نظرِ محفل کی فکر
 نفعِ انسانی کے مستقبل کی فکر
 شامِ غربت میں بصرِ رنج و محن
 حافظے پر خنجرِ صبحِ وطن
 موسمِ بارال میں، وقتِ ابر و باد
 دوستانِ رفتہ کی رہ بھکے یاد
 حال کے آلام ، ماضی کے ملال
 دل میں چھالے اشیہِ خاطر میں بال

وادیوں کی یاد، کہساروں کی یاد
 گلِ رُخوں کی یاد، مہ پاروں کی یاد
 رُوح میں عشق و جوانی کا مراق
 پہلوؤں میں نشترِ محبہ و فراق
 روز و شب اک تازہ درد و خلفِ نشا
 جنگ کے اعلان، مرجانے کے تار
 ہمدموں کی موت، دل داروں کی موت
 چاند کی گم گشتگی، ناروں کی موت
 جلّوہ شبنم، وکتے بھاڑ میں
 سُرِخ آئسو، قہقہوں کی آڑ میں

الغرض مہر آنِ دل جلتا رہا
 کاروانِ زندگی چلتا رہا
 دل بجم غم سے گھبراتا رہا
 ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتا رہا
 آنسوؤں سے ظرفِ جال ٹھبتاتا رہا
 کام اپنا دہرِ غم کرتا رہا
 دل، متاعِ سرخوشی کھوتا رہا
 عشوہِ شام و سحر ہوتا رہا
 اور پھر کچھ دن کے بعد اے ہمیش
 دیدہ ہائے صبح تھے جب سُرگیں

ابرعِسم، ارض و سماء پر چپا گیا
 آئینہ دکھیا، تو دل مَر جبا گیا

درِ یوزہ التفات

الف

ہاں اک نظر، خُدارا، سُوئے سیاہ بختاں

اے تابِ ماہِ وახشم، اے شمعِ طاقِ نورِاں

تہا کیا ہے زمانہ، سونا پڑا ہے پہلو

اے صدرِ بزمِ خواباں، اے ہدیہِ پرخِ ترکاں

ہیں چشمِ وگوشِ ویراں کب ترے گدا کے

اے خُسر و نکوِیاں، شاہِ شکرِ فروشاں

فرقت میں زندگی کی بینائی کھو گئی ہے

للساکِ تجسّی، اے رشکِ ماہِ کفِاں

پہلو میں خارِ نسیم ہے، سینے میں حبسِ وحشت
 فریاد اے گلِ تر، داد اے نسیمِ بستاں
 برسوں سے چاندنی کو تائیں ترس رہی ہیں
 اے نورِ عتدِ پرویں، اے بنتِ ماہِ تاباں
 پسینے میں پرفشاں ہیں غمہائے تلشنہ کامی
 یک معوجِ دلِ ربائی، اے کوثرِ حُسنِ اماں
 تیرِ نظر کو سدا کر اے ابروئے خمیدہ
 اے کعبۂ ہلال و دیرِ کماں و فشاں
 سب سے زیادہ شاید شایانِ مرحمت
 یہ جوشِ حُسنِ پرور، یہ شاعرِ شبستاں

درِ یوزہِ التفات

(ب)

رُکنے لگی ہے نبضِ رفتِ ارجاںِ نثاراں

تا کئے یہ تثنیٰ گامی اے میسِ شہنشاہاں؟

خوابِ شہر کیا کیا اتر کے چل رہے ہیں

آ، بوستاں میں درآ، اے فارحِ کلاں

ہاں کھول دے یہ زلفیںِ غلطاں ہے جنہیں کبے

تعبیرِ خوابِ سبُلِ تفسیرِ موجِ باراں

آئینہ بیکس ہیں زخمِ خردہ، دل ہے خزاںِ گزیدہ

تکلیفِ یکِ تنہم، اے دولتِ بہاراں

ہاں جوش پر کرم کر، کب سے تڑپ رہا ہے

یہ ماہِ چرخِ رندان، یہ شاہِ بادہِ خواراں

بشارت

بمبئی میں، یہ سنا ہے کہ ریاکاروں نے
 کر دیا خلق پہ دروازہ خرابات کا بند
 ان فرعت کے حلیوں کی ہے شاید غرض
 کہ نہو چنپ نفس بھی کوئی نگیں خور سہند
 مرکب ہوش ہے آٹھ پہر ذہن بشر
 اس سے بڑھ کر نہیں اللہ کوئی اور گزند
 خشک ہو جائے ہو دنیا تو جہنم بن جائے
 اب کوثر کی قسم، آتش ترکہ کی سو گند
 لے یہ نظم بمبئی میں اتنا بر شراب کے موقع پر کہی گئی تھی۔

ترک سے کہتے ہیں بن جائے گی دنیا زردار

زر سے کیا فائدہ جب زر کا فنول حتمہ ہو بند؟

زر کا ہے سجدہ شکرانہ خریداری مٹ

حیف اس راز سے واقف نہیں زر کے فرزند

کم سے کم اُن کو تو صہبائے نہ روکا ہوتا

جن کے احساس ہیں ہر ایک خیالات بلند

اے عدوئے تری و بن و خشکی و مراب

فرق ہو بادہ رنگیں میں ترا و نستربید

غیبِ عجب و جہلِ بگفتی ہنرِ شیشِ نیرنگو

لفی حکمت مکن از بہرِ دلِ عالمے چہند“ (صافقا)

لیکن اے رنڈ خدایات، نہ ہونا مایوس
 کسی قانون کا مے خانہ نہیں ہے پابند
 کچھ اگر شک ہو تجھے، پوچھ لے امریکہ سے
 قطع ہونے سے پھسکتا ہے یہ پودا وہ چند
 ذوقِ خوا کی قسم، فطرتِ آدم کی قسم
 شاخِ صہبیا پہ کوئی ڈال سکے گا نہ کند
 فرض کر لے کہ خرابات کے دروازے کو
 اگر از بہرِ دلِ زاہد بیویں بستند
 دل قوی دلا کہ از بہرِ خُدا بگشایند (حافظ)

فطرتِ اقوام

ظلمِ لانتہا سے تنگ آکر

آدمی چاہتا ہے آزادی

ہو کے آزاد۔ پھونک دیتا ہے

دوسرے بھائیوں کی آبادی

پہلے بنتا ہے دشمنِ جلاؤ

خود ہی پھر سیکھتا ہے جلاؤ

خود کو آباد کر کے یہ جہوان،

ڈال دیتا ہے طہجِ برہادی

پاکے اپنے حقوق - اوروں کے

چھینتا ہے حقوق بنیادی

پہلے تو ظالموں سے ڈرتا ہے

اور پھر خود ہی ظلم کرتا ہے

وعدہ فراموشی

سمجھتا تھا میں تیرے عہدِ وفا میں

پہاڑوں کے مانند ہے استواری

مجھے تجکو پا کر یقین ہو چلا تھا

کہ اب ختم ہے دورِ یاد و زاری

میں یہ راہِ غم میں سمجھنے لگا تھا

کہ اب بخت کی موڑ پر ہے سواری

بٹے گی، مجھے یہ گماں ہو چلا تھا

مری تیرہ بختی، مری سو گواری

میں خوش تھا کہ اب چھوٹ جائیگی مجھے

یہ ذرات بازی، یہ خستہ شکاری

غرض یہ اُمیدیں، غرض یہ اُنکیں

کہ مبنی تھی جن پر مری، کامگاری

جلی اُن پہ، صد حیف، تلوار بن کر

تری کم سنی کی فسادِ شکاری

مداو کر اے چارہ سازِ مرلیناں

تماشا کر اے عجب آئینہ داری

”تجھے کس تناسل سے ہم دیکھتے ہیں“ (غالب،

سُونی حُبّت

ہاں یہی ہے وہ مکاں، وہ جنتِ دُورِ کُن

گل تھا جس کی انجمن میں حُسنِ صدِ انجمن

ہاں یہ پل ہے ریل کا، اور یہ حکمتی پٹریاں

داستانِ دردِ استان و داستانِ دردِ استان

ہاں یہ کھڑکی ہے وہی، اور یہ سلاخیں ہیں وہی

جھانکتی تھی جن سے اُس گھر سے کی میٹھی چاندنی

ہاں یہیں، جب پڑ رہی تھی ایک دن ہلکی پھوڑ

گورہا تھا سُرخ زلفوں کا سُنہرا آبتار

چھوڑ ہی ہے دل کو نوکِ خارِ کمِ نجاتِ نائش
 یہ مکال ہے، یا کوئی چھپتی ہوئی سینے کی پھانسی
 آہ یہ در، جس پر شمعِ زندگی کا نور تھا!
 حیف یہ گھر، جو کلیمِ عصرِ نو کا طور تھا
 آج عبرتناک ہے، بے لوح ہے، بیہوش ہے
 کل حیات و نعمت تھا۔ اب سُد ہے خاموش ہے

(۲)

گھر کو اندر سے بھی دیکھوں یا بڑک ہی پر ہوں؟
 خیر، اندر بھی چلوں، فرمانِ دل ہے۔ کیا کروں

اُف یہ سُرخِ کانتال پہچانتا ہوں میں اِسے
 جانتا ہے یہ مجھے۔ اور جانتا ہوں میں اِسے

.....

.....

ہاں، یہاں آرام کرتی تھی وہ ننھک جانے کے بعد
 ہاں، یہاں وہ بیٹھتی تھی غسل فرمانے کے بعد
 ہاں، یہاں بدلے تھے بچپنی سے زلفِ ایک دِل
 ہاں، یہاں ٹپکے تھے اُن آنکھوں سے آنسو اِک دِل
 مسکرا کر اک ادا ئے نور سے دیکھتا یہاں
 کاٹ کر دانتوں سے ماکن پانِ بخشا تھا یہاں

دامنِ جال ہوزنِ سیال سے بیتا تھا میں
 ہاں اسی گوشے میں کشتِ رت کو پیتا تھا میں
 وہ کسی کا درسِ ترکِ مئے گساری، ہائے ہائے
 وہ مرا ہنسِ ہنس کے شعلِ بادِ خوری، ہائے ہائے
 ہاں چھپڑا تھا قہقہہ سوزِ نہانی ایک دن
 ادھر بیٹھے تھے جب برس تھا پانی ایک دن
 آج بھی محفوظ ہیں سونے در و دیوار میں
 وہ ترانے کل جو غلطاں تھے لبِ گلِ بار میں
 اب بھی جلووں کی شعا عینِ پیشِ وپسِ تابندہ ہیں
 اب بھی ان غُروں میں لاکھوں بجلیاں سقندریہ ہیں

فترے فترے میں کھٹک محسوس ہوتی ہے یہاں

دل دھڑکنے کی دھمک محسوس ہوتی ہے یہاں

خون کے ذرات اب بھی رقص کرتے ہیں یہاں

کانپتی ہیں دھندلی دھندلی چمپئی پر چھائیاں

ان ہواؤں میں جوانی کی مہک ہے آج بھی

ساحرانہ لہجہ، تڑکانہ لچک ہے آج بھی

جن کے ہر اک نقش میں تھا جادو گمبھائے تر

جُھپٹے ہیں آج کانٹے بن کے وہ دیوار و در

خون میں ڈوبا ہوا انسان کا افسانہ ہے

کل جو گھر عشرت سرا تھا، آج نام خانہ ہے

(۳)

کون؟ کیسی صدا؟ کس کی صدا؟ یہ کیا کہنا

بہوش، تنہا جوش، میں تیری اُداسی پرند

اُف۔ مراد دلِ شوق ہو جاتا ہے۔ یہ کیا راز ہے؟

یہ میرے دل کی صدا ہے۔ یا تری آواز ہے؟

چھوٹ جالے مرغِ جال، دمِ نفس سے چھوٹ جا

ٹوٹ جالے رشتہ عمرِ دو روزہ، ٹوٹ جا

.....

.....

اڑ کے خود آ، یا مجھی کو نصیب پرواز دے

کس لئے چپ ہو گئی؟ آواز دے، آواز دے!!

(۱۹۴۴ء)

تَعَاُفُ

”مرد ہو، عشق سے جہاد کرو“

”اب مجھے بھول کر نہ یاد کرو“

”دل سے بیتے دنوں کی یاد مٹاؤ“

”نہ تو اب خود ہی رو، نہ مج کو رلاؤ“

”تھول جاؤ کہی سنی باتیں“

”نہ تو وہ دن ہیں اب، نہ وہ راتیں“

”اب نہ وہ موڑ ہیں، نہ وہ گلیاں“

”اب نہ وہ پھول ہیں، نہ وہ کلیاں“

”اس جہاں سے گُذر چکی ہوں میں“

اب یہ سمجھو کہ مرچ کی ہوں میں“

ایک دکھیا کو اب نہ ستاؤ

”بن پڑے تو مری گلی میں نہ آؤ“

مرد ہو - عشق سے جہاد کرو“

”اب مجھے بھول کر نہ یاد کرو“

(۲)

میسے کانوں میں، میسے سینے میں

گو نجی رہتی ہیں یہ، آوازیں“

حسِ طرفِ جاووں، دِلِ ہلاتی ہیں

یہ مے ساتھ ساتھ جاتی ہیں

باوِ جاں بخش سے، بگولوں سے

سخت کانٹوں سے، نرم پھولوں سے

یہ صدائیں برابر آتی ہیں

دِل کا دروازہ کھٹ کھٹاتی ہیں

بھول جاؤ کہی سنی باتیں

”نہ تو وہ دن ہیں اب، نہ وہ راتیں“

”مرد ہو۔ عشق سے جہاد کرو“

”اب مجھے بھول کر نہ یاد کرو“

تنگ آکر جدھر بھی جاتا ہوں

ان صداؤں کو ساتھ پاتا ہوں

صحن گیتی سے، اذرج گردوں سے

تابِ آنجم سے آبِ جیحول سے

بحرِ مَوَاج کے جباہوں سے

حکمت و شعور کی کتابوں سے

شورشوں، غلغلوں، دھماکوں سے

تیز روگاڑیوں کے پہیوں سے

شعر گوئی سے شعرا فی سے

ہر حقیقت سے، ہر کہانی سے

چوڑی سڑکوں سے، تنگ گلیوں سے
 بستی شاخوں سے کھلتی کلیوں سے
 شورِ جلوت، سکوتِ خلوت سے
 جنبشِ ضو، جمودِ ظلمت سے
 معبدوں سے، شراب خانوں سے
 مَطربِ خوش نوا کی تانوں سے
 کُوئے غنیمت سے، بادِ صرصر سے
 رُوئے خواباں سے، رنگِ مرمر سے
 قصرِ منعم سے، قبرِ مفلس سے
 پائے طاؤس و چشمِ زرگس سے

جانِ گوہر سے، رُوحِ نسیم سے
 مَوجِ سنبُل سے، اوجِ پَرِیں سے
 باغ سے، مدر سے، جنگل سے
 تپتے سَورج، برستے بادل سے
 یہ صدائیں برابر آتی ہیں !!!
 دِل کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں
 بھول جاؤ کہی سنی باتیں
 ”نہ تو وہ دِل ہیں اب، نہ وہ راتیں“
 ”ایک دکھیا کو اور اب نہ سناؤ“
 ”بُن پڑے تو مری گلی میں نہ آؤ“

”اب جہاں سے گُذر چکی ہوں میں“

”نم یہ سمجھو کہ مرچ کی ہوں میں“

”مرد ہو، عشق سے جہاں کرو“

”اب مجھے بھول کر نہ یاد کرو“

(۱۹۴۴ء)

تقلید و تحقیق

افسونِ ذات ، اور افسانہٴ صفات

بالا نہ ہے اس سے مرقہ قلندر کی کائنات

حقی کہ صاحبانِ روایت کے دین سے

پاکیزوتر ہیں اہلِ درایت کے کفریات

کیوں کر یقین دلائیے اربابِ عشق کو
 { مبنی ہے صرف عقل پر انسان کی نجات }

آیاتِ بنیات میں ظلمت کی چھاؤں میں

ظلمت کے زیرِ سایہ ہیں آیاتِ بنیات

ایوانِ فکر کے خس و خاشاک کے حضور

بے آبرو ہیں دیرِ حرم کے تہمات

ہو جائے گازمین پہ درِ آسمان کا بند

کھل جائیں گے عقول پہ جب از کائنات

زہ کر چکے ہیں اہل بصیرت کمانِ عقل

ہشیار آشیانے سے مرغِ الہیت

صد ہفتِ لدوں کے گراں محکمت پر

بھاری ہیں جوشِ ایک محقق کے ظنات

(۱۹۲۲ء)

ہاں یاد کر سحر!

ہاں یاد کر سحر، وہ صبا کی عنایتیں

مہکی وہ کاکلیں، وہ بہکتی رفاہتیں

شیریں لبوں میں حرف و حکایت کے قُلّوے

نیچی نظریں میں عشق و جوانی کی غایتیں

زلفوں کی وہ نسیم سے برہم کہانیاں

پلیکوں کی وہ خم سے بوجھل حکایتیں

آنکھوں پہ کیسوؤں سے بستے وہ ہوتاں

کانوں پہ لعل لب سے اُترتی وہ آہٹیں

ناستہ سُرخ کے سُرخ دھندلے میں جوش ہے

پچھلے پہر وہ شکر سے بہت شکایتیں

لے مَن، کاہے تو گھبرائے؟
(۱۹۴۳ء)

(۱)

وہ بھوٹ ہی ہے پو پیارے

وہ کانپ ہی ہے لو پیارے

دیکھ وہ جل تھل سب مسکائے

لے مَن، کاہے تو گھبرائے؟

(۲)

انگڑائی لے کر، لہرا کر

وہ بھور پوری نے مسکا کر،

اپنے جھکے، لے، جھمکائے

لے مَن، کاہے، تو گھبرائے؟

(۳)

پھیلی سُنہری دھوپ ندی پر

مچلا رنگ اور رُوپ ندی پر

بھاگے، رین کے بھاگے سائے

اے مَن، کاہے تُو گھبرائے؟

(۴)

گھبرا کر بَن میں . لولا مور!

تَن دہکا ، مَن سے اٹھا شور

جَوں ساون ندیا لہرائے

اے مَن، کاہے تُو گھبرائے؟

(۶)

دیکھ تو سر پر تاشے بجتے
 گاتے گھرتے گھوم گر بختے
 کارے کارے باد چھائے
 اے من کا ہے تو گھبرائے

(۷)

آئی وہ گاتی باد بہاری
 بہتی ہیں سیلیں ڈاری ڈاری
 جس پانی جوڑا کھل کھل جائے
 اے من کا ہے تو گھبرائے

(۸)

کشت بچن مت بول ری پیاری

گھونگھٹ کے پٹ کھول ری پیاری

آئے وہ تیرے سا جن آئے

اے من کا ہے تو گھبرائے؛

کا ہے تو گھبرائے؛

اے من کا ہے تو گھبرائے؛

جنوں تیرا پھر رہا ہے فضا میں

(۱)

قیمت کی رنگینیاں ہیں خِلا میں
 نئے آغٹوں بچ رہے ہیں ہوا میں
 فنانوں کا آفتوں ہے ارض و سما میں
 ترغّم ہے سارنگیوں کا صبا میں

گلابی کو جھمکا، گلابی گھٹا میں

جنوں تیرا پھر رہا ہے فضا میں

(۲)

حوال ہیں ہوا میں، جوانی کی لئے سے

مُعْطَرِے اَرْض و سَمَا بُوئے مئے سے

گھٹاؤں میں ہیں پیچ و خم کیسے کیسے

فضاؤں میں بلچل کچھ ایسی ہے، جیسے

تڑپتا ہے دل، عشق کی ابتدا میں

جنوں تیرتا پھر رہا ہے فضا میں

(۳)

نہ غم کی حکومت ، نہ ماتم کا سایہ
 طرب سے دکھتا ہے گیتی کا مکھڑا
 تتکلم ، تبسم ، ترغم ہے دنیا
 خوشی سے ہے غم اس طرح دنگ گویا

خدا - خلقہ مُنکرانِ خدا میں

جنوں تیرتا پھر رہا ہے فضا میں

(۴)

عَلَم شادِ مِلنی کا لہرار ہا ہے

غزل خوان ورقِ صافِ مِخداں ہوا ہے

بہکتی، چمکتی، مہکتی فضا ہے

پہاڑوں کے دامن میں کالی گھٹا ہے

کہ قدرت ہے بول و بائے عبا میں

جنوں تیرا پھر ہا ہے فضا میں

(۵)

گر جتنی گھٹاؤں کے سانچے میں ڈھل کر
 تَلاطم سے تمکین کا سر کچل کر
 ریاضتِ زندگی سے نکل کر
 گذاریں خدایات میں آؤ چل کر

یہ رنگین صبحیں ، یہ رنگین شاہیں

جنوں تیرتا پھر رہا ہے فضا میں

(۶)

چلو دستِ ہستی میں پھر آغمنوں دیں

تب و تابِ افسانہ، رنگِ فنوں دیں

نقیبِ خرد کو نویدِ جنوں دیں

ہواؤں میں رقصاں ہیں یوں رس کی بوندیں

دھڑکتا ہے دل، جوش، جیسے دُعا میں

جنوں تیرا پھر رہا ہے فضا میں

زندگی کے دو رخ

(۱)

دل کی ہوتی تھی گاہ مہمانی

گاہ دل صرف میزبانی تھا

وقت کی گل و نش و نش شاخوں پر

مرغِ جالِ محوِ نغمہ خوانی تھا

وہ بھی اک خوابِ زندگانی تھا

(۲)

سرگیتی نظمِ لالہ وگل

نیرِ منشاے نو جوانی تھا

سرگردوں خیرِ لیل و نہا

حبِ ایلئے شادمانی تھا

وہ بھی اک خوابِ زندگانی تھا

(۳)

مہر، ملّح کا تھا اک قصّہ

ماہ بستی کی اک کہانی تھا

قہقہوں کی کمان تھی گلزنک

چہچہوں کا لباس دھانی تھا

وہ بھی اک خوابِ زندگانی تھا

(۴)

اور اب تلخینوں کی یُورِش سے
 سینہ کو بی ہے، سرگرائی ہے

کل تھی پانی میں رُوحِ آبِ حیات
 آج آبِ حیاتِ پانی ہے

یہ بھی اک خوابِ نِزِ نگانی ہے

(۵)

کل تھا دل، پائے تختِ تابانی
 آج ظلمت کی راج دہانی ہے

کل تھا دورِ حیات چڑھتی دھوپ
 آج کھلتی ہوئی کمانی ہے

یہ بھی اک خوابِ زندگانی ہے

(۶)

کل تھی چہرے پر زرفشاں سُرخ
 رنگِ سُخ آج اَرَعُوْا نِی ہے
 کل میسر تھی خاتمِ عشرت
 آج اک دِراغِ ول نشانی ہے

یہ بھی اک خوابِ زندگانی ہے

اے رحمتِ یزداں

ہر صبحِ وطن میں ہے نہاں شامِ غریباں
ہر خندہ پیدا میں ہے اک گریہِ پنہاں

ہر کاوشِ درماں میں ہے اک دردِ کاغذِ نواں
ہر نیند میں ہے فتنہٴ سد خوابِ پریشاں

_____ اے رحمتِ یزداں!

کیا رحمتِ عالم ہے اے رحمتِ یزداں!

اے رحمتِ یزداں!

اے رحمتِ یزداں!

(۲)

یہ اس کا خریدار ہے، وہ اس پہ فدا ہے

یہ اس سے بہت دُور ہے، وہ اس کے جُدا ہے

ہو قُرب بھی حاصل تو تعاقب میں قصا ہے

ہر وصل میں بلچل ہے، تو نہ عرب میں طوفان

اے رحمتِ یزدان! —————

کیا رحمتِ عام ہے اے رحمتِ یزدان!

اے رحمتِ یزدان!

اے رحمتِ یزدان!

(۳)

اَرَمَان کے جادے میں نہیں ہے کوئی منزل

بے آب ہے، بے رنگ ہے، ہر دولتِ مہال

بے قدر ہے، اِلا ک میں جو شے بھی ہو شامل

اَشَدِّی لبِ شنگِ فطرتِ انساں

_____ اے رحمتِ یزداں!

کیا رحمتِ عام ہے اے رحمتِ یزداں!

اے رحمتِ یزداں!

اے رحمتِ یزداں!

(۴)

ہر سحر کے آغاز میں ہے درودِ مصیبت

ہر کام کے انجام میں ہے خفّت و حسرت

ہر شب کو ہے پیغمبرِ نبیؐ نالہ کلفت

ہر صبح کو ہے داؤدِ نبیؐ دیدہ گریاں !

_____ اے رحمتِ یزداں !

کیا رحمتِ عام ہے اے رحمتِ یزداں !

اے رحمتِ یزداں !

اے رحمتِ یزداں !

یہ امیروں کے مصاحب

یہ امیروں کے مصاحب، یہ سلاطین کے ندیم

جن کے دل رہتے ہیں آقاؤں کی بیٹی سے دویم

دل تو دل، شام و سحر، جن کے دھڑکتے ہیں دماغ

اپنی عزت کے لہو سے جو جلاتے ہیں چراغ

جن کے دل، اندیشہ فردا سے لپکتے ہیں فگار

جن کی راتیں، خوابِ شیریں سے نہیں ہوتیں دوچا

یتیم بن کر جن کے دل کو حسبِ آئین کہن

کاٹتی رہتی ہے آقاؤں کے ماتھے کی شکن

آئے دن آتی ہیں جن کی بستیوں میں آندھیاں

شاخِ نخل برق پر رہتا ہے جن کا آشیان

کانپاٹھتے ہیں، جو سنتے ہیں کوئی ہے؟ کا دہل

بولتے ہیں زیر لب، چلتے ہیں جو پنچوں کے بل

جن پہ واجب، خاص خدمت گار کا بھی احترام

جو محل کی مہبت لانی تک کو کہتے ہیں سلام

تسکت رہتی ہے جن کی، زلزلوں کے دوش پر

جن کے سر کا مستقر سرکار کی پاپوش پہ

رہتی ہیں نظریں جو کل کی بھوکے امکان پر

سوچتے رہتے ہیں آفت اُمں کے دستِ خوان پر

زہرا سینوں میں رہا کرتا ہے ہونٹوں پر نبات
 کھل کے آپس میں بھی کہہ سکتے نہیں جو دل کی بات
 بزمِ رقص و رنگ میں بھی جن کو رکھتا ہے بڑھال
 دو گھڑی میں نوکری کے چھوٹ سکنے کا خیال
 پانہیں سکتا کوئی جن کی دُعاوت سے نجات
 تہمت و غیبت ہے جن کے دین میں صوم و صلوٰۃ
 جن کی بٹتی ہی نہیں عیبِ حریفان سے نگاہ
 جن میں سے ہر فرد ہے اک دوسرے کا مرگ خواہ
 جو ہیں گویا چھپلینیاں تالاب میں ڈوبی ہوئی
 تہ سے ابھریں تو ہے باقی نہ جن میں بوند بھی

چین سے پل بھر بھی جن کو بیٹھنے دیتا نہیں
 اپنی وحشت آفریں ناقابلِ یست کا یقیں
 عالموں کا فضل، جن کے حق میں ہے خوفِ گزند
 عاقلوں کی باریابی جو نہیں کرتے پسند
 جن کے ہونٹوں پر دُعا رہتی ہے - یا فاتحِ باب
 کوئی دانا قصر میں ہونے نہ پائے باریاب
 لہج کھاتی جن کی کمریں، اور بھیڑ مٹکتی بوٹیاں
 مسخرے پن کی ملا کرتی ہیں جن کو روٹیاں
 گھورتے رہتے ہیں یوں آقا کو جو شام و پگاہ
 جس طرح قصاب پرہتی ہے کتوں کی نگاہ

گاؤں کی کوڑھی تبنوں کے سڑے پڑے ہیں یہ
 شہریوں کی شکل میں طاعون کے کیرے ہیں یہ

آزردگی بے سبب

یہ یادگار دوست ڈیٹاٹاں، بھانڈا صوفی و خوار شت شعری کہ ہنگام اکل ڈیٹاٹاں معروف شرب بود

حضرۃ جوش آپ یہ اس وقت

شاہ صاحب کے کیوں ہیں آزدہ

میرے نزدیک تو جناب کا دل

اک غلط بات پر ہے پڑمردہ

یہ جن بے دلی، یہ دیو غضب

حرف حضرۃ ہی کا ہے آزدہ

حیف مابین میکش و مے نوش

چھڑ گئی بحشت زندہ و مردہ

لہ ڈیٹاٹاں کلکٹر ٹہ آگرے کے اکو صوفی دوست

شاعروں کو نہ حاکموں سے گھٹائیں

صوفیوں کا نہیں یہ دل گردہ

کس لئے یہ بچا کھچا کھانا

آپ کو کر رہا ہے افسردہ ؟

جب مئے ناب پنی ہے تو بخوشی

کھائیے ڈیٹیوں کا پس خوردہ

(۱۹۲۲ء)

سفاکِ رحم

فرق پر ہے لو اے جذبہِ رحم

عشق ہے اب غذا اے جذبہِ رحم

کاش اُس دل میں اب بھی اگلا سا

اُنس ہوتا بجائے جذبہِ رحم

اُس نظر میں بجائے سوزِ نہال

اب ہے غلطیدہ اے جذبہِ رحم

کل تھی وہ ملتفتِ حکمِ خلوص

آج ہے بر بنائے جذبہِ رحم

عہدِ پیشیں کی سمت اُس دل کو

موڑ دے اے خدائے جذبہِ رحم

(۹۲۲ء)

اے دل

بہر ہے کچھ، نہ ماہ ہے نہ دل

سب فریبِ نگاہ ہے اے دل

نہ ترنم ہے مستقل نہ سرو

مستقل ہے تو آہ ہے اے دل

ہر گہر، اشکِ غم ہے دنیا میں

ہر کلی، برگِ کاہ ہے اے دل

ہر گلستاں پہ ہے نگاہِ خزاں

ہر یقین، اشتباہ ہے اے دل

زندہ رہنا ہے اک خطائے عظیم
 سانس لینا گناہ ہے اے دل
 زندگی سیح و عمرِ خضر
 زحمت یک نگاہ ہے اے دل
 اب کھلا یہ کہ محفلِ درماں
 درد کی بارگاہ ہے اے دل
 تیرگی ہی پہ کچھ نہیں موقوف
 روشنی بھی سیاہ ہے اے دل

(۱۹۴۴ء)

آخری تمنا

اب تمنا نہیں سینے سے لگانے کی تجھے

اپنے دکھتے ہوئے پہلو میں بٹھانے کی تجھے

اب نہ وہ شوق ہے مہکے ہوئے بستانوں کا

اب نہ وہ رقص ہے دکھے ہوئے ارمانوں کا

اب نہ وہ چاندنی راتوں کا ہے غوغا دل میں

اب نہ وہ قوسِ قزح کی ہے تمنا دل میں

اب تھکے دل میں وہ ہلچل نہیں ارمانوں کی

سانس رکتی تھی جسے دیکھ کے طوفانوں کی

اب نہ وہ دن، نہ وہ سن کہ بہ آہنگِ باب

ساحلِ بحرِ رقصان و غزلخواں ہونِ شباب

دل کہ تھارہ دف و چنگ دکھانے والا

وہ ہر اک گام پر سُرخِ شبنمِ منانے والا

جس کے دم سے تھی چمکِ نوح کے آئینے میں

دفن ہے اب وہ بہت دن سے مرے سینے میں

اب تو جب پہلے پہر بادِ صبا آتی ہے

کان میں موت کے قدموں کی صدا آتی ہے

اب تو صرف اتنی تمنا ہے کہ اے بنتِ بہا

دیکھ لوں ہوش میں جی بھر کے تجھے پھر اک بار

اب نہیں شوق کہ پہلو میں بٹھاؤں تج کو
 بھینچ کر خوب کھجے سے لگاؤں تج کو
 پر تو بادہ سے ہر چھول کو انگارہ کر دوں
 ہار گردن میں تری ڈال کے نظارہ کر دوں
 یوں تو آغوشِ تمنا کا سدا خالی ہے
 نفعِ انساں کی یہ آبائی زبوں حالی ہے
 مرتے مرتے بھی نکلتے نہیں دل کے ارماں
 اسی بُحران میں مرجاتا ہے آخر انساں
 پھر بھی۔ ہر چہ کہ ہر آن تھی صد بخوری
 میری لاکھوں ہی تمنائیں ہوئی ہیں پوری

کتنے جلوے ہیں مے قلب کے آئینے میں

کس قدر چاندنی راتیں ہیں مے سینے میں

تھیں کبھی تیرے تہنم سے ہوسٹ مَطْلُوع

اب بھی ہوتی ہیں وہ صبحیں مے سینے میں مَطْلُوع

شکوہ ہر چند نہیں دہر کا جو بھردل میں

پھر بھی اک پھانس کھسکتی ہے برابر دل میں

اور وہ پھانس ہے اک حسرتِ آخرِ احوال

دین کا جس میں خسارہ ہے، نہ دنیا کا زباں

یعنی ماضی کی طرف ایک اشارہ کر لوں

آ کہ جی بھر کے پھر اک بار لفظ ارا کر لوں

تُو اگر صورتِ زیبا نہیں دکھلائے گی

یہ غلط ہے کہ مجھے موت نہیں آئے گی

ہاں مگر سانسِ مے حلق میں اٹکنے کی ضرور

پھانس اراں کی بُری چیز ہے کھٹکے کی ضرور

بس یہ حسرت ہے کہ یہ پھانس نہ کھٹکے اے جاں

آخری دقتِ مری رُوح نہ بھٹکے اے جاں

تازہ بیتے ہوئے لمحوں کو دوبارہ کر لوں

آ کہ پھر دھوم سے اک بار نظارہ کر لوں

(۱۹۳۴ء)

ہولناک تبدیلی

ایک زمینہ ہے۔ ادھر میرا مکاں ہے، اور لوہر

کچھ دنوں سے آ کے ٹھہرا ہے کوئی شخص دگر

رات کو زینے سے آئی نرم سیٹی کی صدا

سن کے اس سیٹی کو، میری زندگی نے یوں کہا

تجھ سے ملنے کو کبھی یہ شخص آ سکتا نہیں

اب یہاں ذوقِ جوانی بار پاسکتا نہیں

اب تو آئیں گے یہاں لے دے کم آ رہا کلیم

نوجوہروں پر صفاقت کا لئے ہارِ عظیم

مصنف کے ہاتھ کا نام۔ جو ۱۹۳۵ء میں دہلی سے جاری اور ۱۹۳۵ء میں طبع آباد جا کر بند کر دیا گیا تھا۔

مطہج و منبہر کی لاکھوں چھڑکیاں کھائے ہوئے

کاتبوں کے وعدہ فردا سے گھبرائے ہوئے

جادو آسودگی و امن سے بھٹکے ہوئے

زاہدوں کے دامنوں کی طرح منہ لٹکے ہوئے

آئے گی جن کے شکن آلود ماتھوں سے سدا

”کافعی ہے بیرہن ہر پیکر تصویر کا“

خانہ ویراں میں آبادی کی وہ شانیں کہاں

میسے گرد و پیش اب سیٹی کہاں تانیں کہاں

جوش سا انسان، فکروں سے کچل کر رہ گیا

ہائے کیا مے خانہ، دفتر میں بدل کر رہ گیا

اے وائے آدمی

(۱۹۴۲ء)

(۱)

خوشیاں منانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 آنسو بہانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اور مسکرانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 دنیا میں آنے پر بھی ہے مجبور آدمی

دُیا سے جانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۲)

کیا بات آدمی کی کہوں تجھ سے ہم نشیں
 اس ناتواں کے قبضہ قدرت میں کچھ نہیں
 رہتا ہے گاہِ حجبِ درہ اعزاز میں کہیں
 پر زندگی ملتی ہے جس وقت آستیں

غزت گنوائے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۳)

انسان کو ہوس ہے جیسے صورتِ خضر

ایسا کوئی جتن ہو کہ بن جائے امر

تار و زحشر، موت نہ پھٹکے ادھر ادھر

پر زلیست جب بدلتی ہے کروٹ کراہ کر

تو سر کٹانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی

اے وائے آدمی

(۴)

انسان بحرِ صدق ہے، سرِ خشمِ صفا

انسانِ حق پرست ہے، حق میں، حق آشنا

انسانِ راست باز ہے، انسانِ بے ریا

پر اس کو آنے لگتا ہے جب جھوٹ میں مزا

زیٹیں اڑانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے والے آدمی

مجبور، دل شکستہ و رنجور آدمی

اے والے آدمی

(۵)

انساں، معاہلت میں بھی ہے معدلت پناہ

ہر عذر لنگ اس کی شریعت میں ہے گناہ

رکھتا ہے خوش معاہلتی ہی سے رسم و راہ

لیکن جب آکے آنکھ دکھاتا ہے قرضخواہ

جیلے بہانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی

اے وائے آدمی

۶

انساں ہے جو دُوبِندل و فَناعت کی کائنات
 لالچ کو اور ہوس کو سمجھتا ہے دُونِ ذات
 اور مارتا ہے دولتِ فارون پر بھی لات
 لیکن لگاڑتا ہے مُقدّر جب اُس کی بات

جو تے چرلے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۷)

دل کو بہت ہے شے ہٹانے کی آرزو
 ہر صبح و شام ہنسنے کی آرزو
 گانے کی اور ڈھول بجانے کی آرزو
 پینے کی آرزو ہے پلانے کی آرزو

اور زہر کھانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و زنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۸)

ہر دل میں ہے نشاط و مسرت کی تشکی
 دیکھو جسے وہ چیخ رہا ہے "خوشی خوشی"
 اس کا رگ و فتنہ میں لیکن کبھی کبھی
 فرزندِ نوجوان و عسروس جمیل کی

میت اٹھانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل سکشہ و زنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۹)

ہر دل کا حکم ہے کہ رفاقت کا دم بھرو

احسب اکو ہنسائو میاں، آپ بھی ہنسو

چھوٹے نہ دوستی کا تعلق جو ہو سو ہو

لیکن ذرا سی دیر میں یارانِ خاص کو

ٹھوکر لگانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی

اے وائے آدمی

(۱۰)

نکمھی بھی بیٹھ جائے کبھی نال پر اگر
 غیرت سے ہلنے لگتا ہے مردانگی کا سر
 عزت پہ حرف آئے تو دیتا ہے بڑھکے سر
 اور گاہ روز غیر کے بستر پہ رات بھر

جو روستا نے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۱۱)

رہتا ہے عطر و عود میں کیا کیا بستاؤ
 پھرتا ہے زنگِ زر گس و نسریں سے کھیلتا
 رکھتا ہے بوئے زلفِ دوتا سے معاملہ
 پر مفلسی و باقی ہے جب آن کر گلا،

گھر گھر کمانے پر بھی ہے مجبور آدمی
 اے وائے آدمی
 مجبور و دل شکستہ ورنجور آدمی
 اے وائے آدمی

(۱۴)

جب عشق دیکھتا ہے کسی خوش خرام کو
 چپتا ہے صبحِ شام اُسی بت کے نام کو
 جی چاہتا ہے جانیئے ہر شب سلام کو
 اُن بن اگر ہوئی تو اُسی لالہ نام کو

ٹھینکا دکھانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی

اے وائے آدمی

(۱۵)

خوددار و خود شناس و خود آگاہ ہے بشر

سنجیدہ و متین و خوش آداب و خوش گہر

پر دل میں احتیاج کا بجتا ہے جب گجر

تو سرِ بلا ہلا کے طوائف کی پشت پر

طبہ بجانے پر بھی ہے مجبور آدمی

اے وائے آدمی

مجبور و دل شکستہ و رنجور آدمی

اے وائے آدمی

(۱۹۳۲ء)

مرگِ نو

برسوں کے بعد آج یہ دل جاگ اٹھا ہے کیوں

سینے میں ایک طرف تلامُ بیبا ہے کیوں

نُصرت کے وقت آج جھجک کیوں تھی اس قدر؟

کیوں جلد مڑ گئی وہ مرا بات چھوڑ کر؟

آنکھوں میں رُس، نہ تیغِ نِسْم میں کاٹ تھا

الفاظ بے خروشن تھے، لہجہ سپاٹ تھا

موجِ نفس میں آنچ نہ تھی سوز و ساز کی

رُخ پر تھی جھلِ بلائی ہوئی لونیا کی

انخفائے رازِ عشق کا تھا کیا یہ اہتمام؟
 یا ہے قریبِ ختمِ جوانی کا عشقِ خام؟
 دل میں مے اک آنچ سی لیتی ہے کروٹیں
 ناگن سی ایک رنگ ہی ہے دماغ میں
 اس سے توجوشِ اس امر پہ پڑتی ہے روشنی
 یعنی سمجھ رہا تھا میں جس شے کو دل لگی
 دل کو چھپی خراش تھی، وہ دل لگی نہ تھی
 اک تازہ درد کی تھی چمک، چاندنی نہ تھی
 سمجھا رہا ہوں دل کو، مگر مانتا نہیں
 یہ سوءِ ظن تو عشق میں ہوتا ہے ہم نشیں!

دل غالباً دوبارہ گرفتار ہو گیا
 بیٹھے بٹھائے پھر وہی آزاد ہو گیا۔

(۱۹۳۰ء)

عروسِ البلادِ معلیٰ

الامبیئی خلدِ نواعِ بشر

نہیں تجھ میں ممنوع کوئی شجر

بہرِ سمت طغیانِ نظارہ

بہرِ گوشہ صد شوخِ مہ پارہ

بہرِ قطرہ گردِ آبِ حُسن و شب

بہرِ ذرہ رقصِ صد آفتاب

بہرِ بوستانِ بانہرِ اراںِ خروش

خراہاں نگارانِ گیسو بدوش

بہر گوشہ چشم، مے خانہ

بہر لغزشِ پائے، افسانہ

(۱۹۴۴ء)

مَراَب

مری نظرِ بیشتر تھی جب تک

شباب کے بہرہ ور تھی جب تک

مری جبین تھی گلاب جب تک

مرا لہو تھا شراب جب تک

شکفتہ تھی رسم و راہ تیری

مری طرف تھی نگاہ تیری

زباں پر ساز کی کھنک تھی

نگاہ میں ہوز کی جھلک تھی

یہ منتیں تھیں کہ بس جلا لو
 کنیز اپنی مجھے بنا لو
 ہمیشہ آنکھوں پر آستین تھی
 مے قدم پر تری جیس تھی
 اور اب مجھے جانتی نہیں ہے
 غضب ہے، پہچانتی نہیں ہے
 تری نظر، اب نظر نہیں ہے
 نظر میں برق و شر نہیں ہے
 فقط سن و سال پرند اٹھی؟
 مے خط و خال پرند اٹھی؟

جو عاشقی کی حلیت پھرت تھی
 مگر وہ اک شانِ جنسیت تھی
 یہ ہیں فقط شاعری کی باتیں
 یہ ہیں فقط صوفیوں کی زیٹیں
 کہ عشق ہے رُوح بے کرائی
 کہ عشق ہے جنسِ آسمانی
 مگر یہ اب پول کھل چکا ہے
 کہ عشق ہیجانِ جسم کا ہے
 نہ عشق اعلیٰ، نہ عشقِ احسن
 فقط آلِ اعصاب کی ہے نمٹین

نہ اب دوبارہ جوان ہوں گا

نہ اب تیرا میہمان ہوں گا

کہ سنِ بختِ پیبِ درمی کا

مزار ہے رُوحِ عاشقی کا

شباب یہ داغ دے گیا ہے

تجھے بھی ہمراہ لے گیا ہے

مگر وہ دُنیا نہیں رہی ہے

مجھے بھی پروا نہیں رہی ہے

(۱۹۳۸ء)

عورت

کرم آشنا ہے کہ سفاک ہے

بہر رنگ عورت خطرناک ہے

اگر جو رپور ہے اوڑھن دھو

بہاتی ہے اہل نظر کا لہو

اگر مہرباں ہے تو اے ہم نشیں

فنا کر کے مرنے بھی دیتی نہیں

جو بھاگیگا اس سے اماں پائیکا

نہ بھاگا تو کم بخت پھٹائے گا

(۱۹۳۴ء)

یاد کر

یاد کرو وہ دورِ گلِ اے آفتِ جاں یاد کر

اپنا دامن یاد کر ہمیں اگرِ بیاں یاد کر

جس کے ساغرِ زلفِ شاں تھے جس کے ساحلِ گلِ فروش

وہ شبِ مہتاب و روزِ ابر و باران یاد کر

جن کے جھنوکوں سے لچکتی تھی اُننگوں کی کر

ابتدا ئے عاشقی کے وہ گلستاں یاد کر

جس کی ضو سے جگمگاتا تھا شبتانِ مراد

چاندنی میں اپنے ماتھے کی وہ افشان یاد کر

(۱۹۲۳ء)

کُشود کار

پھر کھلا جوش بابِ گفت و شنود

پھر ہوئے مُستِ ساجد و مُسجود

گاہِ محمود وہ ہیں ، میں ہوں آیاز

گاہ وہ ہیں آیاز ، میں محمود

ہر روش پر ہے جوئے باغِ ارم

ہر قدم پر ہے جوئے عنبر و عود

ہر نفس میں ہے موجِ سد کوثر

ہر سخن میں ہے لحنِ سدِ داؤد

(۱۹۲۸ء)

اہلِ طبعِ آبادی سے

اپنے آبائی مکاں میں کل ہوا میسر اگر

دل مرا اس طرح دھڑکا، کانپ اٹھے ہاؤ

آہ وہ چوکھٹ بھجھکاتی تھی جہاں دنیا جیس،

آج اُس میں نام کو بھی منزلت باقی نہیں

آہ والوان، تنہا بوجہ کا خاص دعام

آج ہیں افسردہ و آزدہ اُس کے سقف و مدام

مرکزِ خبروت تھی جو بارگاہِ بے مثال

آج اُس میں سازِ شوکت ہے نہ سامانِ جلال

حیف کل اک دیدہ بنیا تھا ہر گوشہ جہاں

آج آنکھیں بند ہیں ایک ایک فترے کی وہاں

انجمنِ مٹی رات کے ہنگام شاد و تابناک

صبح کو دیکھا تو شمعیں نہ پروانوں کی خاک

اے عزیزانِ گرامی، اے رفیقانِ وطن

گھات میں اب آپ کی ہے سازشِ چرخِ کھن

گل کھلانے ہی پہ ہے غفلتِ شعاری آپ کی

کل تو مٹی باری ہماری، اب بے باری آپ کی

(۱۹۴۰ء)

اربابِ ادب! ہوشیار

معاشرانِ طرب خانۂ ادب ہوشیار

کہ آسمان نے پھر مشقِ ظلم جاری کی

بساط اٹھاؤ بھی اے ماہرانِ شیشہ گری

کہ پھر گرج ہے گھٹاؤں میں سنگِ باری کی

سنبھل کے سانس لو اے لبتگانِ منہجِ نشاط

کہ بُو ہواؤں میں ہے شامِ سوگواری کی

بچاؤ موت سے لیلائے خامِ کاری کو

کہ پڑ رہی ہے بناءِ ذوقِ نختہ کاری کی

(۱۹۳۰ء)

چہرہٴ افسردہ

کل بارگہ ناز میں نے یہ کیا عرض

بے ل، طلبِ گل میں ہے اک عمر سے مضطر

پر کیا یہ غضب ہے کہ کسی دُور میں اب تک

بے ل کے ترانوں سے پیچھا نہ کُل تر

یہ سُنتے ہی پیدا ہوئی رُخسار پہ سُرخ

کچھ شرم کے انداز، تو کچھ غیظ کے تیور

رُخسار کی سُرخ ہوئی پھر دُھوپ میں تبدیل

وہ دُھوپ چمکتی ہے جوتلی کے پروں پر

۱۹۳۰ء

ایک لمبے چین رات

ظلمتوں کا دبدبہ، بھیگی ہوئی تاریک رات

بدلیاں اُڑی ہوئی، اُڑتا ہوا رنگِ حیات

پروہ تکبیس میں اک ناقابلِ فہم اضطراب

میں غمِ خلعت میں پُراسرار یادِ ماہیت

دل پر اک ناتواں تغیر بے معنی سا بار

ساعتِ بے عہد و پیمیاں، لمحہ بے انتظار

شمعِ کُشتہ کے دھوئیں سے، بانزروں پر سچ و تاب

مطلعِ جاں پر ابھرتا سا ہلالِ اضطراب

عشق کی ماری جوانی کو سلائے کے لئے

کروٹوں پر کر دے وہ نیند آنے کے لئے

کروٹوں میں پریشاں سوزِ محبت کے شر

جیسے کرنوں کی چمک تیغِ دودم کی دھار پر

(۲۶ فروری ۱۹۲۲ء)

محبت کی زبان

لہان اے ہم نشیں، اُہوت کا بھی پیچ و تاب
دفعۂ جب کوئی آتا ہے برنگِ ہ نقاب

لجھ انوکھے سے نظر آتے ہیں اسبابِ حیات
دل کے سنائے میں کھو جاتی ہے ساری کائنات
ذالیتی ہے پیرِ فقر کے عقلِ نچتہ کار

عجز میں تبدیل ہو جاتا ہے دانش کا وقار
نطق کے ترکش میں ملتا ہی نہیں ہے کوئی تیر

بہترین الفاظ ہو جاتے ہیں نظروں میں حقیر

بند ہو جاتا ہے دروازہ زباں کا کانپ، کر

خال و خط میں دل کی گویائی کا کھل جاتا ہے د

پھر تو اُن نظروں میں سوئے عشق کرتا ہے خطاب

جن میں ہوتا ہے تپاں شوقِ کرمِ خوفِ عتاب

وہ جنوں پرورِ خموشی حال کرتی ہے بیاں

گفتگو کی آرزو بھرتی ہے جس میں بسکیاں

زنگِ سَخ کو بختِ تباہے لُطْف و قَلْبِ دُونِ مِ

کا پتار رہتا ہے جس پر سایہ اُمید و بیم

اُن لبوں کی خشکیوں میں شوق کرتا ہے کلام

جن میں پیہم کر د میں لیتا ہے ذوقِ تشنہ کام

وَلَوْ لَے اُس آتش پہاں کو دیتے میں ہوا

رُخ پہ جن کی کو، پہنتی ہے لباس الفاظ کا

اُس تبسم کی زباں میں عشق کرتا ہے سُخن،

جس کے تابندہ ورق پر غم کی ہوتی ہر شکن

چھڑتی ہے پھر مسلسل شک باری داستان

ختم ہو جاتی ہے یوں اک پل میں ساری داستان

۱۹۴۴ء

کارل مارکس

السلام اے مارکس، اے دانائے راز

اے مریض انسانیت کے چاروے

نخل خوشحالی کی نیخ و بن ہے تو

عقدائے زلیست کا ناخن ہے تو

تجسس قائم دہر میں محنت کا حق

تجسس سے امرت، گرم ماقول کا فرق

اے دبیرِ دیروپیہِ سرِ حق پناہ

نشرِ فسادِ تیسری صدی کا

مانیتیں قومیں اگر تیرا نظام
 آج تلواریں نہ ہوتیں بے نیام
 پھر بھی اک عالم میں ہے تابندگی
 تیری جانب مڑ رہی ہے زندگی
 اے کہ تجھ سے بدلے خلفشار
 عجب زر دار و غنرور شہریار
 اے کلیدِ قفلِ بابِ رنگ و نور
 اے حکیم نو، کلیم تازہ طور
 اے روئے بدمانی و آوارگی
 اے طیبِ علتِ جیپارگی

اے خطیب منبر فیض عظیم

اے ضیائے مشعلِ رزقِ کریم

خیر خواہِ جملہ اقوامِ ممل

رازقِ بے قید "ایمان و عمل"

ہاں علیٰ العزمِ نظامِ عرشِ پاک

اے دواے جملہ علّتِ پائے فکاک

اے پیامِ آبِ بہرِ شنگاں،

اے نویدِ ناںِ برائے خستگان

اے گدائے راہ و شاہِ ششِ جہت

اے ابوالافلاس و ابنِ مرحمت

دشمنِ پیائے پست و بلند

حامیِ بیچارگانِ درد مند

آجگینے سے ترے سکتے میں سنگ

اے کہ تو اتنے ہوئے چہروں کا رنگ

اے کہ تُو حُبِ سفالیں کا بھرم

اے کہ تُو سازِ شکستِ جامِ جم

اے کہ تُو برقیِ سحابِ غمِ کشاں

اے کہ تُو دردِ دماغِ خسرواں

اے کہ تُو آہنِ شکنِ آئینہ ساز

عارفِ شاہیں گُش و فتری نواز

اے کہ تیری ہر نگاہِ نکلت یاب

صحتِ ذرات و مرگِ آفتاب

ہمدمِ شبیر و برخواہِ تیزید

موسیٰ نو بہرِ فرعونِ جدید

اے عدوئے نوریانِ شعلہ خور

اے انیسِ خاکیانِ مردہ رو

اے رفیقِ خستگانِ بے نوا

نا خدائے بندگانِ بے خدا

اے نگاہِ بے نگاہانِ جہاں

اے کلاہِ بے کلاہانِ جہاں

مُنکرِ دارائی "غرش بریں"

اَوّلین پُنجیبِ فرشِ زہیں

ہند را آتش بہ جامِ دادہ

پائے شل را ہم خرامِ دادہ

رُوسِ تو قصبہ خشنہ باد

زندہ و پائینہ و تابنہ باد

۱۹۳۱ء

سحابِ مَرود

اُزل سے پیرِ مِغاں کا ہے جوشِ یہ ارشاد

کہ تا ابد نہ رُکے جم، ہرچہ بادِ اباد

رفیقِ اکھول بھی دے بادِ بانِ کشتیِ شوق

سُبک ہے آبِ رواں، چل رہی ہو بادِ مراد

خود آج حُسن ہے پابندِ عشق و حُرفِ نیاز

خود آج میند کے قابو میں ہے دلِ مِیّا

بہم ہے آتشِ سیال و موجِ آبِ رواں

ہزار بار تراشکر، جامعِ اَصْداد

اُٹھی ہیں جھوم کے کالی گٹھائیں قبلے سے
 ہوئی ہے غیب سے زندانِ مست کی ادا
 سحابِ حسن سے رنگیں ہے روتے بیم ورجا
 شرابِ عشق سے رقصاں ہو طح کون فنا
 فقیرِ شہر بھی ہے کارِ شرع سے فارغ
 حکیمِ عصر بھی ہے بندِ کمر سے آزاد
 ہر ایک پھول ہے ساحل پہ، رشکِ باغِ رحیم
 ہر اک حبیب ہے دریا میں فخرِ تاجِ قباد
 بساطِ لغمِ نوازی ہے خاکِ نوحہ و نثرت
 محلِ راست روی ہے بہانِ کجِ بنیاد

ہر ایک لہجہ ہے تفسیرِ نغمہ داؤد

ہر ایک نقش ہے تصویرِ مافیٰ ثہراؤ

قدائے شرح و بیاباں ہیں نزاکتیں جس کی

بیاض گل پہ رقم ہے وہ دل نشیں رُوداد

ہر اک کلی ہے چمن میں گر کشائے رُوز

ہر ایک گل ہے گلستان میں صاحبِ ارشاد

ہر ایک جہاد ہے آزدگی کا اک تعویذ

لکھے ہیں خاک پہ ہاراں نے وہ عجیبِ اعدا

سدا رہی ہے سرِ بزمِ قلقلِ مینا

نویںِ خاطرِ مجموع و مشردہ دل شاد

مے نے کہہ بھی آج ہے فیضِ منہا

امیرِ سلسلہ صاحبِ انِ بخت و کتاب

جھک ہی ہے ترانوں سے لیکن ہستی

چھک رہا ہے فسانوں سے عالمِ ایجاد

شک ہی ہے ننگِ کف سے، زیرِ سیائے تاک

تو آئے نرمِ پیرِ زغزالہ نو زاد

چھڑی ہوئی ہے سحر سے، میانِ بلبل و گل

حدیثِ ساعدِ شیرین و بازوئے فریاد

اب رنگِ سخنِ بے جوش ہے ولہند

راجِ ہمسرِ شیراز ہے ملیح آباد

رباعیت

(۱)

ممنوع شجر سے لطف پیس لینے
 عصیاں کی گھنٹی چھاؤں میں پھروم لینے
 آواز دو کا شمس را پہونچا جوش
 اللہ سے انتقام آدم لینے

(۲)

یہ رات گئے عینِ طرب کے ہنگام
 بر تو یہ پڑا پشت سے کس کا سرِ جام
 یہ کون ہے؟ جبریل ہوں کیوں آئے ہو
 سرکارِ افلاک کے نام کوئی پیغام

(۳۳)

یہ شامِ خشک، یہ ابرِ افسردہِ خرام
 ہستی کی نوید، آور نہ ہستی کا پیام
 گردوں پہ اک آہِ سی ہے لیکن مَوہوم
 دل پر اک بوجھ سا ہے لیکن گم نام

(۳۴)

اُف سوزِ فراق کھائے جاتا ہے مجھے
 ہر سانس میں چر کے سے لگاتا ہے مجھے
 اللہ کبھی اسے بھی آباد کرے
 یہ سینہ جو خالی نظر آتا ہے مجھے

(۵)

”ہم دہر کے ناچختہ خیالوں میں نہیں“
 ”ہم سینہ آگہی کے چھالوں میں نہیں“
 حیرت ہے کہ ہر بھٹکنے والا انسان
 کہتا ہے کہ ہم بھٹکنے والوں میں نہیں“

(۶)

یہ نالہ بے خروش، کس سے کہیے
 یہ قصہ ورد، جوش، کس سے کہیے
 ٹکڑے کی دمک ہے، اور نہ لہجے کی کھنک
 محرومی چشم و گوش، کس سے کہیے

(۷)

اے فتنہ عمر روزگار، واپس آ جا
 اے رونقِ لالہ زار، واپس آ جا
 ایسے میں کہ تو بہا سہ ہے بادِ فریش
 اے دخترِ نو بہار، واپس آ جا

(۸)

دل، لیلیٰ افکار سے شربت ہے
 اس نقص کو دیکھ کر گھلا جاتا ہے
 فریاد کہ اس وِ خیرِ رو میں بھی مجھے
 بیتے ہوئے لمحوں کا خیال آتا ہے

(۹)

ہر اک روال و وال ہے لیلائے حیات
 بہتا ہوا دن ہے ، اور اُڑتی ہوئی رات
 یہ مَدِّتِ انتظار ، اے جانِ بہار
 اور گریزِ ناں کے یہ زاورِ محنت !!

(۱۰)

فریادِ مظلوم ، سالِ سخت و قیوم
 انسان ہے نطفہٴ جہنم ، اور ظلم
 دیکھ بھول ، برائے وقت اور ان مجبور
 ورنہ ہو ، برائے خاصیاںِ معصوم !!

(۱۱)

ادراک کی خلوت میں مکیں ہے اب درد
 بے پردہ نہیں، پردہ نشیں ہے اب درد
 احساںِ مشرت سے ہوں شاداں، یعنی
 ناقابلِ برداشت نہیں ہے اب درد

(۱۲)

عالم تیرا ہے عیشِ عالم تیرا
 کھڈا ہے شکوفوں کی طرح غم تیرا
 عیدِ مفلس سے لاکھ بار اے منعم
 ہوتا ہے شکفتہ تر محترم تیرا

(۱۳)

جب دل نے کُتُب کو خِضِرِ رَاہ کیا
 ہر حرف پہ غور، حَسْبِ دل خواہ کیا
 تو اُن میں سے بیشِتر کتابوں نے مجھے
 جہلِ اہلِ قلم سے آگاہ کیا

(۱۴)

مَنَاس کا سبو بھی سُرِ خوشی کی توہین
 مَنَعَم کے تلاطم سے بھی پیہرا تمکین
 ظلمتِ بردوش اُدھر ہے صُبحِ مَو لود
 خورشیدِ بکفِ اُدھر ہے شامِ تدفین

(۱۵)

پہچانی ہوا زلف کی خوشبو بن کر
 ارمان بھسا گے فضا میں بگنوں بن کر
 دیکھا ہونے بھر میں سوئے انجم
 پہلی آنکھوں سے رات آنسو بن کر

(۱۶)

کیا شکر جو درد ہے دردِ جاوید
 ہر اک، عواذِ شاکی سے اک مارہ قید
 پہ خیر سے چہ کمر کیخوشی
 یہ جاہمِ وفا لیں۔ ہے گلابِ جنت شیر

(۱۶)

ہست ہیں برگے بار۔ واپس آجا
 سرشار ہیں آبشار۔ واپس آجا
 بھولوں کا یہ وقت، چھپوں کا یہ سماں
 آئے گا نہ بار بار۔ واپس آجا

(۱۷)

سے دیو نہاں و چہند ہو جا اللہ
 سے مفرجِ اَلَم ، بے ہو جا اللہ
 ہاں سے حرکت، ہوش کے دل کی حرکت
 کھلتا نہیں در تو بند ہو جا اللہ

(۱۹)

نشے میں بھی آہِ سرد بھرتا ہوں میں
 لمحاتِ حیات میں بھی مرتا ہوں میں
 اس بات کی تو گواہ رہنِ شبِ غم
 ہر گھونٹ پر اُن کو یاد کرتا ہوں میں،

(۲۰)

ہر غم، فتنےِ رنگ سے تھرتا ہے
 آلامِ جہاں کا منہ اتر جاتا ہے
 لیکن جسے کہتے ہیں غمِ عشق اے جو نش
 وہ نشے میں کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے

(۲۱)

نثرانی سی ہے دراز دوستی اب تو
سنو لائی سی ہے لیلیٰ دوستی اب تو
پھر ٹھٹھی ہوئی دھوپ تھا لڑکپن اک دن
رکتی ہوئی سانس ہے جوانی اب تو

(۲۲)

دارائے محاسن کا یہ فیضانِ عیوب
ہر دِل میں ہے طغیانیِ مَعْدوان و زُؤب
سرکارِ مشیت کی بدولت اب تک
ایک آدھ ہے معقول، تو لاکھوں مجذوب

(۶۶۴)

ہر لجن کی فبت ہے کہ غوغا بن جائے
 ہر نور کی فطرت ہے اندھیرا بن جائے
 اس خمنڈا مروڑ سے پھر لے جی کو
 قبل اس کے کہ یہ گریہوں سرا بن جائے

(۶۶۵)

یہ زلفت کہ بہت محیطِ رخسارہ و ضمد
 حلقوں میں لئے سیاہ ترشے ہوئے ہڈر
 یا لیلیٰ ظلمت کا ہے تاجِ عنبر
 یا عالمِ کیف و سرخوشی کی شبِ قدار

(۲۵)

نافوں کا مچلتا ہوا طوفاں ہے کہ زلف
 یہ تیرگی چشمِ حیاں ہے کہ زلف
 یا ظلمتِ شبِ بے درازِ غم کا
 بکھر ہوا افسانہ چٹباں ہے کہ زلف

(۲۶)

یہ تنہا ہوا آئینہ، اور یہ زلفِ دوتا
 شگم پہ ہے منظرِ آبِ گنگا جمن
 یوں زلف کے حلقوں میں پیاسے پہلچل
 دریا میں بھنورے پڑ رہے ہیں گویا

(۲۷)

یہ زلفِ دراز ہے کہ ساون کی ندی

یا ابرِ سیاہ ہے سرِ سرِ وقعی

یا خطِ شکست کی محبتی سطر

یا رشتہٗ انفاسِ حیاتِ ابدی

(۲۸)

بادل میں یہ رُوئےِ ناوتاباں کیا

ظلمات میں یہ نورِ شبِ تار کیا

حلقے میں لئے ہوئے ہے رخ کو کا کل

یہ کفر کے زیرِ سایہٗ تار کیا

(۲۹)

گلشن پہ ہے زلفِ بے اماں کا پرتو
 اور زلف پہ ابرِ گلِ فشاں کا پرتو
 نمکھڑے پہ ہے یوں سایہ کا گلِ غلط
 جس طرح یقین پر گمساں کا پرتو

(۳۰)

اندھی یہ زلف، مری مستِ شہاب
 ہر حلقہ شبِ رنگ ہے گویا گرواب
 یا آتشِ بُرخ کا ہے یہ دودِ پچیاں
 یا رندِ سیہ مست کا الجھا ہوا خواب

(۳۴۱)

ہر گام پر جنبش میں ہے یہ زلفِ رسا
 فوارے سے یا ابل رہی ہے صہبا
 یا موجِ خرم کا اشارہ پا کر
 شانوں پر آمد آئی ہے گنگو گھوٹ

(۳۴۲)

ظلمت سے ہوا بگڑ رہی ہے گویا
 بادلی کی پڑی بگڑ رہی ہے گویا
 یوں موجِ صبا سے ابل رہی ہیں نکلیں
 تاریک پھوار پڑ رہی ہے گویا

(۴۳۳)

زکھیں ہیں کہ زویدہ خیالات کی رات
 اے جوانِ حیا! ٹھہر بھی جا رات کی رات
 اِن تیرے گھٹاؤں میں کہ ہر جا مئے گی
 شانوں پہ لٹے تھوئے یہ ہر سات کی رات

(۴۳۴)

یہ لیلۂ لاکھناہی ہے کہ زکھن
 گہوارۂ ہارِ چرخِ گاہی ہے کہ زکھن
 اے جوانِ شباب! اے زکھن پہ تے
 چھٹکی ہوئی رات کی سیاہی ہے کہ زکھن

(۳۷)

کہتا ہوں ترے مُنہ پہ حقیقت تیری
 مقصود نہیں اِس سے شکایت تیری
 سلمیٰ ! وہ مے سے شباب کا تھا پرتو
 میں جس کو سمجھتا تھا مجنت تیری

(۳۸)

کوثر بے کیف ہو تو پانی بہتر
 گچ مچ، موز باں، تو بے زبانی بہتر
 مکر وہ شامل آشنائے لے ہوش
 آئینہ جس میں عُدے جانی بہتر

(۲۵۱)

بچوں کا ہے اک کھیل مجا اور ہونا
 مشکل ہے مگر بہت مد پر ہونا
 آسان ہے مومن مقتد بننا
 و شوار ہے کائنات مفسر ہونا

(۲۵۲)

صد حیف ، تری وہ مہربانی نہ رہی
 اک شے بھی بجز مرتبہ دانی نہ رہی
 رہتی تری نظروں میں وہی بات اگر
 غم مجھ کو نہوتا کہ جوانی نہ رہی

(۳۹)

کیا گوہرِ شاہوارِ ناسفِ سر ہیں
 داناؤں کے افکارِ حسنِ خفتِ سر ہیں؟
 اے ہمتِ مروانہ! سخنِ رائے و تیق
 کیوں دہشتِ ابلہاں سے ناکستہ رہیں؟

(۴۰)

کب تک کرے کشتِ شرجیت کوہِ کاک
 ہمتِ فروغِ شہرِ اورست کا دھوکا
 اے آدمِ خفتِ سلسلہِ دورانیہ
 تمکے غمِ پیرِ عورت کا دھوکا؟

لو خیم کی آئینہ بائی کا جواب ع۔ "از بے غرضی خلق کا گفتہ باند"

(۴۱)

اے نوب بشار عتدہ کثائے فدا
 اے مشعل محراب سداے فدا
 مردانہ مہم اٹھا سوئے آوج کمال
 اے بندہ امروز و عداے فدا

(۴۲)

شبنم سے نہ گل و گلین میسر آوے
 موقی نہ اگر رلیں تو میسر آوے
 اک درجو ہوا بند تو آئی یہ عدا
 سودر نہ اگر کھلیں تو میسر آوے

(۴۳)

سَو بات کی ہے یہ بات، آؤ سوجائیں
 بدست ہے خود حیت، آؤ سوجائیں
 شبنم سے ہے چاندنی کا دامن ننکا
 اب بھیگ چکی ہے رات، آؤ سوجائیں

(۴۴)

رہتا نہیں ہوش میں نظمِ اوقات
 ہو جاتے ہیں غرقِ کیف و مستیِ لمحات
 کھل جاتی ہیں جب تری گھنیری زلفیں
 تو شام بھی بن جاتی ہے بھیگی ہوئی رات

(۴۵)

آجا، ہیجان میں ہیں دھارے، آجا
 اک شور ہے دریا کے کنارے، آجا
 کلیوں پہ چمک رہی رُس کی بُوندیں
 لہروں میں مچل رہے ہیں تارے، آجا

(۴۶)

کلیوں پہ اُدھر وِستِ مِستی کے نِکات
 ہنِوِٹوں پہ اُدھر مَصْحَفِ غم کے آیات
 آمادہ مَصالِحَت پہ ہو گی کیوں کر؟
 بھڑکی ہوئی یہ آگ، یہ بھِگی ہوئی رات

(۲۶)

ہر چند کہ رکھتا ہے روانی دیا
 اُس پر بھی ہے عشقِ سرگرائی دیا
 جاگیرِ گدا پر ہے نگاہِ مُنطہاں
 کوزے کا چپڑا رہا ہے پانی دیا

(۲۸)

ذہنِ مُردوں سے دل لگاؤں کیونکر
 چلتی لاشوں کے پاس جاؤں کیونکر
 مجھرم ہو تو لاکھ بار کروں برداشت
 احمق کا مگر بار اٹھاؤں کیونکر

(۴۹)

ہاں تیر حیل دید و بزم کی طرف
 ہاں بھیج قضا کو خیرِ غم کی طرف
 اہلاد کا یہ وقت ہے اے ناخن مہر
 صرف ایک کرن عقدہ شبنم کی طرف

(۵۰)

کچھ لذتِ بحث جس کی صحبت میں نہیں
 باتوں کا مزا اُس کی رفاقت میں نہیں
 جو مختلفِ الخیال مجلس میں ہے لطف
 وہ متحدِ الترانے جماعت میں نہیں

(۵۱)

ہر خوف کو زیرِ ولایت کر کے نیکلو
 ہر نصیب کو اگھر سے مہت کر کے نیکلو
 نیکلو جو پئے شکارِ مرغ و ماہی
 تو شیر کا بند و بست کر کے نیکلو

(۵۲)

ظلمت میں چمک رہی ہے لفتال جیسے
 یا وقتِ غروبِ رنگِ بستاں جیسے
 رُخ پر ہے لٹول سے جھٹ پٹے کا عالم
 آلودہ ابر صبحِ تاباں جیسے

(۵۳)

بلیں ہیں کہ میکدے کے در کی دریاں
 آنکھیں کہ دڑچہ ہائے صبح خنداں
 یا چرخ جوانی کے دکنے تارے
 یا جامِ بلوریں میں مُقیتِ پریاں

(۵۴)

بیجان میں ہے قہرِ الہی ہو گیا
 غلطاں ہے اندھیے میں تباہی گویا
 ان رات کی تیرگی، عیاذاً باللہ
 زاہد کے صنیر کی سیاہی گویا

(۵۵)

پستی میں بلندی کا اشارہ گویا
 کہتے ہیں ہے منبع کا ستارا گویا
 اس کارِ گرفتہ میں یوں ہے شاعر
 طوفان میں نور کا مینا برا گویا

(۵۶)

ہمیشہ ہوسم کُشاںِ جہانات پرست
 واناؤں کی ہمت کبھی ہوتی نہیں پست
 جوتے ہیں لشکر سے مسلح جو دماغ
 وہ لشکرِ دل سے نہیں کھاتے ہیں شکست

(۵۷)

ایماں کبھی کھل کے سانس لیتا ہی نہیں
 کشتی آبِ خسرو میں کھیتا ہی نہیں
 فائدہ کہ افکار کی آزادی کا
 مذہب کبھی لائسنس دیتا ہی نہیں

(۵۸)

انسان کب تک نہ صدِ محفل ہوگا
 کس روز بشر بالغ و عاقل ہوگا
 قرون سے ہیں اربابِ نظر چشمِ براہ
 کس دن یہ ہلالِ ماہِ کامل ہوگا؟

(۵۹)

افسوس کہ اب بھی غم سے پانی ہے لہو
 اب تک وہی ارتقاء کی ہے سست
 حکمت ہے صبحِ نادرِ امید بہ افق
 انسان ہے حرفِ نارسید بہ گلو

(۶۰)

قَدَرَت غیظ و غضب میں آئی کیا کیا
 کی عقل نے آگشتِ مَنائی کیا کیا
 مذہب گڑھنے لگا جب آئینِ حیات
 انسان کی سرشت مُسکرائی کیا کیا

(۶۱)

مرتا ہے، مگر حیتِ ملتی ہی نہیں
 دل جس سے کھلے، وہ بات ملتی ہی نہیں
 تقلید ہے وہ وجہِ مفاسل جس سے
 ملا کو کبھی خجسات ملتی ہی نہیں

(۶۲)

ہاں شیخ کا ہے جو ہر اصلی دھوکا
 دیتا ہے اُسے تو بس تسلی دھوکا
 کل رنڈ تروتازہ تھا، اب زاہد خشک
 وہ بھی دھوکا تھا، اور یہ بھی دھوکا

(۶۳)

طاقت حملے کی جب چلی جاتی ہے
 فطرت چیلے پہ دل کو اکساتی ہے
 ہو گر بہ کاغذِ مِجّ کہ حضرتؑ کی نماز
 دونوں کے تقوُّوسے ہنسی آتی ہے

(۶۴)

کیا مجھ کو گراں خواب سمجھ رکھا ہے
 یا جوئے تینک اب سمجھ رکھا ہے
 جہاں کے ڈر سے ترک کر دوں کاثرِ بابا
 تو نے مجھے نوابؑ سمجھ رکھا ہے

ایک نندیا جی دموئی محل کی جانب اشارہ ہے۔ اصل نام کے عوض 'نواب' استعمال کیا گیا ہے۔

(۶۵)

ہاں دل کو رہیں بادہ خواری کر لے
 رگ رگ میں طرب کی نہر جاری کر لے
 اللہ سے فتنہ ہائے بیداری ہوش
 مانا ہے اگر تو خواب طاری کر لے

(۶۶)

دل آن پہ نہ یوں نثار کرتا لے کاش
 خود کو نہ زبون و خوار کرتا لے کاش
 بہتر تھا کہ دوزخ پہ بھروسہ کرتا
 جنت کا نہ اعتساب کرتا لے کاش

(۶۷)

بدخواہ ہمیں نہ کہیں ہو جاؤں
 ہاں منکرِ داور نہ کہیں ہو جاؤں
 انساں کی تباہی کا متا شاکر کے
 ڈرتا ہوں کہ کفر نہ کہیں ہو جاؤں

(۶۸)

کچھ بھی نہیں عالم میں مجسّم بد حالی
 خود گڑ گیا، نیو جس نے گہری ڈالی
 یہ دہر ہے بازار کی گالی گویا
 سننے کو جو مڑ گیا، اسی نے کھالی

(۶۹)

درماندہ و بے ثواب ہوں، حیراں ہوں میں
 التَّخْتَصُّرَ اکِ مَرْدِ پَریشاں ہوں میں
 سعی ہوں کہ آمد سے ہم آہنگ ہو "خروج"
 رُومال کے اوڑھنے میں کوشاں ہوں میں

(۷۰)

مخلص نہ ہی ظلم کا بانی تو نہ بن
 شمشیرِ عدل کی روانی تو نہ بن
 کترا نہیں احسان کا تار ، نہ کر
 محسن کا مگر دشمنِ حبانی تو نہ بن

(۷۱)

یہ عشق ہے، آسودہ نگاہی کے لئے
 یہ راست روی ہے کج کلاہی کے لئے
 تم کو اپنے سے بڑھ کے رکھتا ہوں عزیز
 لیکن اپنی ہی خیب خواہی کے لئے

(۷۲)

ہر یار جفا جو کونسا ہا میں نے
 سمجھا ہر خسیم دل کو پھال میں نے
 لیکن اپنے سے بڑھ کے اب تک واللہ
 دنیا میں کسی کو نہیں چاہا میں نے

(۷۳)

اک جنس کا میلان ہے اور کچھ بھی نہیں
 اک جسم کا میجان ہے اور کچھ بھی نہیں
 اے مردِ خدا رُوح سے کیا عشق کو کام
 یہ خون کا ارمان ہے اور کچھ بھی نہیں

(۷۴)

سوئے ہوئے فتنوں کو جگا دیتی ہے
 جاگے ہوئے ذہنوں کو سلا دیتی ہے
 جس قوم کے اعصاب پر عورت ہے سوار
 وہ عقل سے عشق کو بڑھا دیتی ہے

(۷۵)

✓
 جُرعَات سے دِل کے دِلغ دھوتی اے کاش
 خُشکی میں سِفین نہ ڈبوتی اے کاش
 دو بوندوں نے اُور اگ لگا دی دِل میں
 پیمانے میں اک بوند نہ ہوتی اے کاش

(۷۶)

✓
 خُل خوار کو پروان چڑھانے والے
 کمزور کو خاک میں ملائے والے
 شاہیں بھی ہے کیا تیری ہی ایجادِ لطیف
 معصوم کبوتر کے بنانے والے؟

(۷۷)

ہر صبح ہے اک عجیب سودا مجھ کو
 ہر شام ہے اک طرفہ تقاضی مجھ کو
 جگ بیت گیا مگر یہ اب تک نہ کھلا
 سفر کس شے کی ہے قمتا مجھ کو

(۷۸)

ہر آہ کی لو، ز منزمہ کاری نکلی
 ہر برق کی رو، باد بہاری نکلی
 آنکھوں سے گزر گئی جب آنکھوں کی سپاہ
 ہونٹوں پہ بستم کی سواری نکلی

(۷۹)

شانوں پہ ہے چھٹکی ہوئی زلفونکی لٹک
 اعضاء میں ہے تازہ شاخ گل کی سی لچک
 اور اُس پہ یہ انگریزی کا علم کہ نہ پوچھ
 بھری ہوئی بدلیوں میں جس طرح دھنک

(۸۰)

نشیوں کو عجیب سوز بختا میں نے
 تاروں کو سرشکِ غم بنایا میں نے
 جب رات کو آنسوؤں کی چلین سمیٹیم
 مہتاب کو مسکرا کے دیکھا میں نے

(۸۱)

پروانہ کریں گے تازہ آنے والے
 دودن میں بھلا دیں گے زمانے والے
 گلزار سے اے بہار، جاتی ہے توجہ
 اب ہم بھی ہیں عنقریب جانے والے

(۸۲)

اے چشمہ لالہ زار، دم بھر تو ٹھہر
 ابرِ سر کو ہمار، دم بھر تو ٹھہر
 اک آبلہ پا، دواں ہے تیری جانب
 اے قافلہ بہار، دم بھر تو ٹھہر

(۸۳)

اے شبنم تازہ اپنے گلشن کو بچپا
 اے تیغ کدہ حیات، خرمن کو بچپا
 وہ آئی مرے لب پہ دکتی ہوئی آہ
 اے لیلیٰ ز مہرِ رودان کو بچپا

(۸۴)

انسان ہے گامبست لائے آلام
 پل بھر کو بھی حاصل نہیں ہوگا آرام
 ہر آن دھڑکتے ہوئے دل کے منہ میں
 جبت تک کہ دماغ کی گگے گی نہ لگام

(۸۵)

پھر ڈال دی اُس نگار نے غم کی طرح
 پیمانہ ہے پھر دیدہ پر غم کی طرح
 آئی برسوں میں مثل نورِ انجم
 اور آ کے گئی قطرہ شبِ غم کی طرح

(۸۶)

ہونگے محروم ہر نظر اے سے کبھی
 بن جائیں گے ٹوٹے ہوئے تارے سے کبھی
 تم بھی تھے مہرے سے کبھی اہل قبو
 ہم بھی ہو جائیں گے تنہا اے سے کبھی

(۸۶)

گُفتا میں کھل رہی ہے سیلے کی کلی
 رفتار میں مڑ رہی ہے سون کی ندی
 چہرے پہ سُرور و نور، آنکھوں میں غرور
 سرکار نے کیا آئینہ دیکھا تھا ابھی؟

(۸۷)

سکے دل، ضائع نہ کر بہ انعامِ فلک
 اس لمحہ خوش ہیں خوب جی بھر کے دمک
 یہ بحرِ عطیہ ارہ عاجل کا ہے عکس
 یہ نہر میں ہے شہابِ ثاقب کی چمک

(۸۹)

جو دل کی ہے، وہ بات نہیں ہوتی ہے
 جو دن نہ ہو وہ رات نہیں ہوتی ہے
 ہستی ہے وہ طوفان کہ اکثر اے جوش
 اپنے سے ملاقات نہیں ہوتی ہے

(۹۰)

بہچھٹائی صبا، زلف کی خوشبو نیکر
 ارماں بہا گے فضا میں جگنو بن کر
 دیکھا جو ترے حیر میں سوائے مجھ
 چمکی آنکھوں سے رات آنسو بن کر

(۹۱)

مطبوع مسائل کا لگا تا ہے سراغ
 محرابِ منت میں جلاتا ہے چرلغ
 افسوس کہ اک غم میں حب کر یہ کھلا
 دل کا اک نکتہ بس مصاحب ہے دماغ

(۹۲)

اسرار کو میزبان میں تولانا گیا
 موتی تھے یہ وہ کہ جن کو زولا نہ گیا
 خود کھل گئی عمر کی کسانِی افسوس
 اور غمِ رُخ کا سنات کھولا نہ گیا

(۹۳)

جیسے پیمیاں نباہتا ہے کوئی
 خود پر روؤں، یہ چاہتا ہے کوئی
 جب شام کو میداں میں سنکتی ہی ہوا
 میسے دل میں گراہتا ہے کوئی

(۹۴)

ہشیار ہوا سے گروہ صاحب نظر اں
 غفلت کا محل نہیں جہاں گذراں
 پل بھر بھی یہاں پلک جھپک جانے میں
 ہوتا ہے ہزار ہا مناظر کا زیاں

(۹۵)

اے عمرِ رواں کی رات آہستہ گزر
 اے ناظرِ کائنات آہستہ گزر
 اک شے پہ بھی جمنے نہیں پاتی سہمے نگاہ
 اے قافلہٴ حیات، آہستہ گزر

(۹۶)

طوفان کے ہیں جھٹ پٹے کی رو میں آثار
 میدان ہے تاحۂ نظریۂ فوٹا
 گردوں پر گرج رہی ہے پُر ہول گھٹ
 گلشن میں لرز رہی ہے پودوں کی قطار

آوازہ خیر سالات

یہ جانِ زار کہ پامالِ خستہ عالی ہے
 کمینہ پیش کشِ بندِ گانِ عالی ہے

نازاں ہوں تھلُّ پر جب لوؤں کو نمایاں کر
 مدّت سے پریشاں ہوں، اک دن تو پشیاں کر

نشہ مرگ ہے جہاں، زہرِ فنا کا جام دے
 نرگسِ نیم باز کو رخصتِ قتلِ عام دے

بلغ میں ابر ہے، اور ابر میں رُوحِ طُوفان
 میرے پہلو میں بھی اے دُختِ طُوفان آجا

یوں آج تیرہ رات میں گرمِ غروش ہوں
 گویا کئی جہاں میں نہیں ہے مرے سوا

عالم کو گاہے گاہے جاتز ہے بادہ خواری
عارف کے واسطے ہے شربِ مدام ساقی

آج پھر بیدار میرے دل میں اُن کی یاد ہے
اے زمین ہنس رہی ہے، اے آسمان فریاد ہے

کس طرح قُربِ یار پہ شکرِ خدا کروں
اب بھی ہے دل میں کوئی متناسی، کیا کروں

قافلہ شوق، اٹھ، آئی وہ بانگِ حسیل
سازِ طرب، راہِ بر، لرزشِ صبا و لیل

ظلمت کی رُونمائی کو کچھ نور چاہیے
رونے کو بھی تو خطِ مَسرور چاہیے

جب سے جو بے حقیقت کر دیا
شعر کو ہم نے عبادت کر دیا

دیکھ جاؤ کہ ہوش آیا ہے
پھر ہماری خبر نہ پاؤ گے

دونوں جہاں کو لے کے دیا ایک مے کا جام
رحمتِ خدا کی ساقی ارزاں فروش ہو

اب ننگِ تہ را ندانہ ہر کس کہ نزدِ عشق
صد عشرتِ دو عالم ایک نرِ صفتے نگاہے

گو رہیں شکستہ حالی ہوں
شاہِ اقلیم خوشِ مقامِ عالی ہوں

واہے دَرِ تَبَسُّمِ ہر نیمِ واہلی میں
دیوانہ ہو رہا ہوں جنگل کی چاندنی میں

نہیں جہاں ہیں کوئی آسرافقیروں کا
کہ بے نیاز بہت ہے خدا امیروں کا

رُس کی بوندیں پڑ رہی ہیں تاکجا یہ پیش و پس
ہم نشیں، ساغر اٹھا، اللہ بس، باقی ہوس

میری یوسف شناس نظروں میں
قدّہ ذرّہ ہے مصر کا بازار

اپنے جلوؤں کو پا رہی ہے نگاہ
کیا میسر ہوا ترا دیدار ؟

آب اور جو شب انتظار کیا ہوگا
یہ ابتداء ہے تو پایان کا کیا ہوگا

نور بھی، بحر میں افسردہ ہے، ظلمت بھی اُداس
صبحِ رنداں کی قسم، شامِ غریباں کی قسم

بہت ہیں آب و رنگِ رُوئے تاباں دیکھنے والے
بہت کم ہیں عیارِ نازِ خوباں دیکھنے والے

جگر، موت ہے کیونکر جام سے سیراب، کیا جانیں
یہ ناقصِ طینتانِ منبر و محراب، کیا جانیں

جب ذکرِ تمہارا چھڑتا ہے جب یادِ تمہاری آتی ہے
رہ رہ کہ اس سینے میں اک ناگن سی لہراتی ہے

آوارہ کوچہ بستاں ہوں
سلطان زمین و آسماں ہوں

بخش کر یاروں کو ساقی نے سحرِ جامِ ہمال
ہم کو چھانٹنا خدمتِ جامِ جہاں ہیں کے لئے

وقت آیا ہے کہ اب بیدار ہوئے انقلاب
زندگی بے چین ہے تجریدِ آئین کیلئے

شکستہ ہونگے رباب کیا کیا، تباہ ہونگے شباب کیا کیا
چلیں گے بیری کے وار کتنے، مگر زمانہ ہوا ہے گا

پلک جھپکنے میں ایک برچھی نظر کے اٹھنے میں ایک خنجر
یہی اگر عشوہ کا ریاں ہیں تو کوئی نہج کر کہاں ہے گا

وطن میں آغازِ شاعری نے کہا تھا یادش بخیر مجھ سے
یہی اگر گنہ باریاں ہیں چمن میں کیا آشتیاں رہیں گے

ہوئی یہ بیک بیک کس سے ملاقات
کہ خود اپنے کو یاد آنے لگا میں

مُسکراتی ہوئی یوں آئیں وہ مے خانے میں
رُک گئی سانس پھلکتے ہوئے پیماؤں کی

اگ رکھ دو تو برف ہو جلے
اے بھر دو تو حرف ہو جلے

وقت کی دولتِ نیدار سے جو خیم گہن
بہر چلا تھا اُسے پھر آج صبا پھیر گئی

۱۰۰ غزلیں جبریل کی تفریقیں

چلی آج ایسی ٹنک ہوا کہ کسی کو یاد دلا دیا !
 جو دیا تھا دل میں مجھا ہوا اسے مٹے پھیسے جلا دیا

نَدِیمِ آ کہ وہ رنگیں زمانہ یاد کریں
 وہ عیشِ جمیع وہ کیفِ شبانہ یاد کریں

پوچھتے کیا ہو جو شمس کی حالت
 اب کی بچتے نظر نہیں آتے

دل کی پامالی پہ ناداں کو کس کھانے بھی دو
 روکنے سے فائدہ ؟ نامح کو بھالنے بھی دو

جس شے کو دیکھتا ہوں طوفانِ رنگ بوسے
 یہ کون مجھ سے، یارب اس گرم گفتگو ہے

شب کو آنکھیں لڑیں ہوئے خاموش
صبح دیکھا تو راز افشا ہوا

ہائے کس صورت سے حسن و عشق کو کجیا کروں
حسرتوں کیوں کہائے جاتی ہو مجھے میں کیا کروں

ایسے چپ تو کبھی نہ تھے تم جو شمس
سچ بتاؤ یہ ماجرا کیا ہے

لوہے انسان کو میسر ہی نہیں ہوتا کمال
اے کس معیار کی یہ حسرت تعمیر ہے

فغاں نہیں یہ اثر ہے دل میں خوشی کی پہاں ترین حس کا
ہنسی نہیں۔ یہ تڑپے جگر میں خفیف سی اک ضربتِ غم ہے

انہیں اوقات میں پڑتی ہے طرح بزم افروزی
فدائے رنگِ ابر بہمنی و بادِ نوروزی!

وہاں شر سے نہ کیوں اُمید رکھیں خیر و خوبی کی
جہاں اے جوش ہوتے ہیں جواہرِ سنگ سے پیدا

افقِ تھائن کا دھندلا طلوعِ عشق سے پہلے
یہ رنگینی ہوئی میسے شکستِ رنگ سے پیدا

ادب سے دیکھ چمن میں بہار چھو لوں کی
چمک رہی ہیں یہ پیشانیِ سالِ رسولوں کی

حسین جھول رہے ہیں برنگِ ابر بہار
روان ہے خونِ حیاتِ ڈوریوں میں جھولوں کی

بڑھاسی بھتا میں سوئے گل کہ دفعۃً اے جوشِ
مے سلام کو شاخیں جھکیں بہو لون کی!

گویا کبہا رُپ پستی ہوئی بدلی
اُس شاہد بدست کی فرستار تو دیکھو

اے ان آستانہ زلفوں کے اثر سے غافل
تو نے پرنسے نہیں دیکھے ہیں گریبانوں کے

اب خواب ہیں وہ عہدِ تمنا کی لذتیں
جب آؤ نیم شب سے جگر روشن تھا

منو کلن یوں رُوئے حبا ان ہو گیا
چاند کا دھبہ منایاں ہو گیا

فسونِ برہمنی ابرِ شام تنہائی
نہ مجھ سے پوچھ، کہ آنکھوں میں رات کلائی ہے

کروٹوں کی نذرِ حباتی ہیں راتیں حبس کی
اُن گھنٹی پلکوں کی موجِ خواب افشان کی قسم

تلخی حق کی ہم نشیں! سو گند
ممبر بھی تلخ ہے شرب بھی تلخ

پہلو میں یارِ سادہ، آنکھوں میں موجِ بادہ
لے جوشِ اسٹاسٹ کیا پاک بازیاں ہیں

ہمنشیں! خاک کے پردے میں چھپ جاؤ لگا میں
روئیں گے برسوں زمین و آسمان میرے لئے

ہنگینہ ہے کہ آنسو فیصلہ کرنے سے ڈرتا ہوں
چمک پر جب حیاتِ عارضی کی، غور کرتا ہوں

اس مری آتشِ غم کو نہ سمجھ کر بے عظیم
مارِ مرود میں ہے گلِ کدہ ابراہیم

بغیر نام لئے آپ کا ، اگر میں نے
شراب پی ہو تو گویا حرام شے پی ہو

مجھ سے کیا شکوہ ہے مرابِ جمال
مجھ کو میری نگاہ نے مارا

کیفِ تکمیل یاس کی سو گسند
طربِ گاہ گاہ نے مارا

ہر آن کھیلتے ہے گو موت ہی سے ہم
مائیوس ہو سکے نہ مگر زندگی سے ہم

اے آسمان اتنے خدا کا نہیں ہے خوف
ڈرتے ہیں اے زمین اترے آدمی سے ہم

تُم نہیں ہو تو زندگی کافی ہے
شامِ بیمار و صبحِ بادِ گسار

دل ہوا اتنا خوشی سے نمکنا
روح کو احساسِ غم ہونے لگا

گو بجتی پھرتی ہے آفاق میں بھوکوں کی صدا
کون اشد کو کہتا ہے کہ رزاق نہیں؟

میں شہر یارِ گل ہوں، شہنشاہِ لالہ ہوں
شکرِ خدائے مستِ شرابِ عالم ہوں

مکرانے ہی پہ ہے صبح وصال
شکوہِ طولِ شبِ حیراں نہ کر

خمِ کاکل میں گرفتار ہوں، دلِ شاد ہوں ہیں
شکرِ معبود کہ ہر تیرے آزاد ہوں میں

فناں کہ یار کو کیفِ شبانہ یاد نہیں
فنونِ محرابِ چاند اوہ فسانہ یاد نہیں

زمین جس سے خروشاں تھی، آسماںِ رقصاں
وہ جو خشِ بربط و چنگ و چنہ یاد نہیں

پھل رہی تھی دو عالم کی داستاں جس میں
وہی مکالمہ محض زمانہ یا دنہیں

خواب میں جب تک کہ ہے پیغمبری ہے زندگی
اور اگر بیدار ہو تو داوری ہے زندگی

لبِ گلِ رنگ کو آزر دہن فریاد نہ کر
بن پڑے تو مجھے اب بھول کے بھی یاد نہ کر

تجھ کو ان نیش کی ترسی ہوئی آنکھوں کی قسم
اپنی راتوں کو مرے حجب میں برہاد نہ کر

بالِ الجھے مجھے لبِ خشک، نگاہیں مایوس
حسنِ پرتنا ستم اوستم ایسا نہ کر

زمانے میں کس درجہ بے دست و پا ہے
ترے عشق سے جو مُتَلَح نہی س ہے

اے ابر، جا کے کہنا اُس حبانِ آرزو سے
چھبّتی ہے پھانسِ دل میں اب تو کُلوں کی بُو سے

صبح ہوتی نہیں طُلو عِ جہاں
دل کی بستی اب ایسی بستی ہے

دل ہے اُس سطحِ غم پر اب قائم
نہ بکندی ہے اور نہ پستی ہے

نشے میں بھی بستی ہیں سسکیں
کتنی بے کیف مے پرستی ہے

شہرِ دھلی کے ذرے ذرے ہر
ہائے کیا بیکسی برستی ہے

اب تو اے جانِ جاں، مری ہر رات
نیند کے واسطے ترستی ہے

اب یہ عالم ہے زندگانی، کا
جس پہلے جوش، موت ہنستی ہے

پھر جنوں سلسلہ جنباں ہے، خدا خیر کرے
پھر نظر، سوئے گریباں ہے، خدا خیر کرے

یہ کنارِ خمین، یہ ابرِ بہار
ایک طوفاں سا ہے یمن و یسار

کس کس طرح کی دل پر ہے آفت ، نہ پوچھیے
 غم پیشگانِ عشق کی حالت ، نہ پوچھیے

شمس و قمر ، ثوابت و سیارِ حن و افس
 کس کس کی قلب میں ہے محبت ، نہ پوچھیے

آکے بزمِ عیش میں بیٹھے بھی تو یوں آکے ہم
 اپنی شمعِ زلیت کے دونوں سرے سلگا کے ہم

نہ جانے رات کو رندوں میں کیا تھی گفت و شنود
 کہ سیلِ نور میں دامنِ فناں تھا شب کا جمود

نوائے کیف سے تھی یوں فنائے شبِ لرزاں
 ہوا میں صبح کو جس طرح شمعِ کشتہ کا دود

ہر ایک حرف میں کون و مکاں کی پہنائی
ہر ایک سانس میں صد لغتہ ہائے لامحدود

کشتی مئے کو حکم روانی بھی نہ بھیج دو
جب آگ بھیج دی ہے، تو پانی بھی بھیج دو

یہ ہجوم بے فراری، دل بقیہ راکب تک
گلہ فراق تاکے، غم اٹھا راکب تک

نہ گلوں کے منہ پہ رونق، نہ کلی کے لب پہ سُرخ
اس اَلَمِ نصیب رت میں سرِ نو بہار کب تک

آئیں وہ، اور میں نہ بھتا موجود
یوں دعائیں قبول ہوتی ہیں

۱۵ آپ بھیجے والے نے شراب پڑی دیریں، بار بار طلب کر لے کے بعد میٹھی، لیکن سوڈا اُس کے ساتھ دانا نہ کیا تھا
جب یہ شراب اُس کے پاس روانہ کیا گیا تو اُس نے سوڈا بھی بھیج دیا

دل کے لئے شدارِ جہنم سے کم نہیں
وہ حرفِ آرزو جو زباں سے ادا نہ ہو

سازِ طرب ہے دل کے لئے سوزِ ناتمام
اے آہِ نارسائے محبت! رسا نہ ہو

حُسن! اپنی رَہ گزر کا وہ ذرّہ دکھا مجھے
جس سے جبینِ شوق مری آشنا نہ ہو

نُسخِ پُستِ رخی، نگاہِ مینِ بچپن
زندگی کے لباس میں گلشن!

جوش میں نے کب کیا کھتا ادعاِ اسلام کا
شیخ کو کیوں اتنی کاوش ہے مری تکفیر میں

ہر صبح کے بعد، شام ہے آخر کار
 ہر شبِ بنم و گل ہے منزلِ برق و شدار
 ہر خوابِ شباب میں ہے بیدارِ می شیب
 فریاد ہے اے عرِ بدہ لیل و نہار

اے رفتہ شباب اب ہوں کتنا پامال
 افسوسِ محبت کا یہ ہونا ہوتا مال
 اک شہر میں رہ کر بھی، جدائیِ صد حیف
 اک بزم میں بیٹھ کر بھی محسوسِ حمال

اللہ کے حبس ہمنشینانِ کبار
 کتنی نظریں مری نظر سے ہیں دوچار
 ہرچند کہ ہے ہمیشہ نظر مقصدِ دوست
 آنکھوں کو نہیں پس بھی مجالِ دیدار

پارے کی طرح چڑھ کے اُترنے والی
 اے جوش کے سائے سے بھی ٹرنے والی
 اللہ کرے خوشی نہ بھاگے تجھ سے
 صحبت سے مری گریز کرنے والی

اب رعبِ جمالِ محب کو آزار نہ دے
 عاشق ہے وہی، جان کی بازی ہو بیے
 ہاں وہ کوئی آگیا، برا فکندہ نقاب
 اے جُراتِ یک نظر، خدا را مدد دے

ہر وقت سکوں کو اذینِ عشرت جانو
 ہر نیم نفس کو ایک دولت جانو
 مستقبل و ماضی میں اُس لکھنے والا
 اس لمحہِ نفثہ کو غنیمت جانو

اے اختر خوش جمال و اے ماحو بیل
 اے تو کہ ترانہ طیر کوئی ، نہ عدیل
 جتنا کہ حقیر کر چکی ہے اب تک
 بندے کو اب اُس سے بڑھ کے کرنا نہ ذلیل

گوئین کی ہر آگ کو کج دلاتا ہے
 آفاق کے ہر نور کو دھندلاتا ہے
 مہتاب میں دھتے ہیں ، گلوں میں کانٹے
 بد میں کو بس اتنا ہی نظر آتا ہے

پھر تازہ فساد، مے کے اوقات میں ہے
 پھر سازشِ نو، اہل مُناجات میں ہے
 سدا یہ صد داغِ جگر ہے اے جوش
 وہ رخنہ کہ دیوارِ خسرات میں ہے

بیہنا کے وفانے آگِ مالاہم کو
 سانچے میں نے سوز کے ڈھالاہم کو
 اپنا ہی نہیں، دل میں ہے دشمن کا بھی درد
 اس چپیز نے اور مار ڈالاہم کو،

کیا خوف، اگر دَوِ فَلَک ہے دشمن
 تلوار کو کاٹتی ہے میسری گردن
 طوفان تو بادباں ہے کشتی کا مری
 آندھی تو مے چیراغ کا ہے رَوغن

حاصل ہے ہر اک بلا سے رندوں کو فراغ
 ہر آگ کا گرداب ہے مہکا ہوا باغ
 موج طوفان کو ہم بناتے ہیں جہاز
 طاقِ صرصر میں ہم جلاتے ہیں چیراغ
